تہذیب

زریش مصطفیٰ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

تہذیب

زریش مصطفیٰ

پاک سوسائٹی کے تحت شائع ہونے والے ناول " تہذیب " کے حقوق طبع و نقل بحق ویب سائٹ
Paksociety.com اور مصنفہ (زریش مصطفیٰ) محفوظ ہیں۔
کسی بھی فرد، ادارے ، ڈائجسٹ، ویب سائٹ، ایپلیکیشن اور انٹرنیٹ کسی کے لئے بھی اس کے کسی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹیوی چینل پر ڈرامہ و ڈرامائی تشکیل و ناول کی قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر (پاک سوسائٹی) سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی اور بھاری جرمانہ عائد کرنے کا حق رکھتا ہے۔

میرا نام افصی ہے میں اپنے چھ سالہ بیٹے آیان اور سات سالہ بیٹی فاطمہ کے ان ڈپنڈنس ڈے کی تیاری میں مصروف ہوں۔ ایک تو یہ اسکول والے بھی ماؤں کا کام اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ مانو لگتا ہے بچوں کے ساتھ ایک بار پھر ہم نے ایڈمیشن لے لیا ہو۔ اور ان اسکولز کے تو ڈے ہی ختم نہیں ہوتے فادرز ڈے، مدرز ڈے، ان ڈپنڈنس ڈے، ڈیفنس ڈے، ٹرانسپورٹ ڈے، ٹوائے ڈے حتیٰ کہ واٹر ملین ڈے بھی ہوتا ہے آپ بھی چکرا گئے ناں میں بھی چکرا جاتی ہوں اس کے علاوہ بچوں پہ پڑھائی کا اتنا بوجھ کہ آپ پوچھو مت یہ تو چند ایک دن ہیں جن کا میں نے ذکر کیا۔ اور اس کے بعد بچوں کے ایگزیمز خیر میں بھی کیا بولنے لگی میں بچوں کی تیاری کر کے ابھی فری ہی ہوئی تھی کہ مسسز ہمدانی آ گئیں۔

یہ میرے ہسبینڈ عاقف کے بیسٹ فرینڈ کی وائف ہیں میری ان سے دوستی تو نہیں مگر اچھی سلام دعا ضرور ہے ان کی شادی کو ابھی محض دو سال ہوئے ہیں اور ان کا ایک چھوٹا سا کیوٹ سا بیٹا بھی ہے۔

"ارے صائقہ کیسی ہیں آپ۔" میں کافی خوشدلی سے ان سے ملی میں کافی اچھی مہمان نواز ہوں

"میں ٹھیک افصی آپ کیسی ہیں؟" وہ مجھ سے گلے ملتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے اللہ کی ذات کا صائقہ کیسے آنا ہوا۔" میں اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی

"ارے بھابھی میں ویسے ملنے نہیں آسکتی کیا۔" اس نے برا مانتے ہوئے کہا

"ارے نہیں صائقہ میرا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔" میں اپنی بے ساختگی پر شرمندہ ہو گئی۔

"بھابھی آپ تو آتیں نہیں ہر بار مصروفیت کا بہانہ میں نے سوچا میں ملنے چلی آؤں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ارے یہ تو بہت اچھا کیا بس مصروفیت بچوں کے ساتھ ہی زیادہ ہوتی ہے اور سنڈے کو سب گھر پہ ہوتے ہیں ایک دن ملتا ہے ساتھ گزارنے کو ایسے میں میں کہیں جا نہیں پاتی۔" میں نے اپنی مصروفیت کا ریزن پیش کیا۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں ابھی تو رضی چھوٹا اس لیے میں ظفر کے جاب پہ جانے کے بعد کہیں نہ کہیں چلی جاتیں ہوں جب یہ بھی اسکول جانے لگے تب شاید میں بھی گھر میں قید ہو کر رہ جاؤں۔" صائقہ رضی کو دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہوں تم گھر میں مصروف ضرور ہو جاؤ گی مگر قید نہیں اپنے گھر میں کوئی قید نہیں ہوتا بلکہ اس دنیا میں واحد آپکا گھر ہی ہوتا ہے جہاں آپ اپنی مرضی سے رہ سکتے ہیں۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

کیونکہ میں جانتی ہوں کے وہ گھومنے کی بہت شوقین ہے اور اپنے بوڑھے ساس سسر کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر کہیں بھی چلی جاتی ہے چاہے وہ شاپنگ ہو کسی کے گھر یا اپنے شوہر کے ساتھ آوٹ آف سٹی۔ ظفر بھائی انکم ٹیکس آفیسر ہیں کام سے انہیں شہر سے باہر جانا پڑتا ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ صائقہ گھر پہ رک جائے مجبوراظفر بھائی کی ممی کو گھر کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے نوکر تو نوکر ہوتے ہیں جب تک سر پر مالک نہ ہو کبھی کام ٹھیک سے نہیں کرتے یہاں سچ مانیں تو قصور ظفر بھائی کا بھی ہے۔انہیں صائقہ کو سمجھانا چاہیے۔

میر اماننا ہے کہ مرد رشتوں کے درمیان کا پل ہوتا ہے اور پل کو کم سے کم کمزور نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے دونوں سروں کا سنبھال نہ سکے۔

"ارے میرا بے بی اٹھ گیا۔" رضا اٹھ گیا تھا وہ ایک سال کا ہونے والا تھا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب میں نے صائقہ کو اس سے انگلش میں بات کرتے دیکھا اور رضا کو سمجھتے۔

"تم ابھی سے اس سے انگلش میں میں بات کرتی ہو۔" میں نے حیرت سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرا بیٹا کسی سے پیچھے رہ جائے۔" وہ رضا کو دیکھ کر مسکرائی۔

اتنے میں میری میڈ نے میرے دوسالہ بیٹے عالیان کو لا کر میری گود میں بٹھا دیا۔ میں اس وقت صائقہ کے ساتھ مصروف تھی۔

"عالی بیٹا آپ دادو کے پاس جاؤ۔" میں نے اسکو گود سے اتراتے ہوئے کہا اور وہ بھاگتے ہوئے اپنی دادو کے کمرے کی جانب بڑھ گیا میرے سارے بچے میرے ساس سسر سے کافی اٹیچ ہیں۔ اگر میں مصروف ہوں تو بھی مجھے فکر نہیں ہوتی۔

"آپ اپنے بچوں کو ان بزرگوں سے دور ہی رکھا کریں ورنہ یہ ان بچوں کو اپنی طرح بنالیں گے اولڈ فیشن۔" صائقہ نے نخوت سے کہا مجھے اس کی بات بالکل اچھی نہیں لگی مگر میں خاموش رہی۔

"اور آپ اپنے بچوں سے اردو کیوں بولتیں ہیں آپ ان سے انگلش میں بات کیا کریں اس طرح تو آپ کے بچے احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے جب انکو انگلش نہیں آئے گی۔" اب یہ مجھے پہ کافی ذاتی حملے ہونے لگے تھے۔

"تمھیں کس نے کہا کہ میرے بچے انگلش بول اور سمجھ نہیں سکتے۔" میں نے خود پر کافی کنٹرول کر کے اس سے کہا۔

"میں نے تو کبھی ان کو بولتے نہیں دیکھا۔" وہ تمسخرانہ ہنسی ہنس دی۔

"میرے بچے پاکستان میں بولی جانے والی کافی زبانیں بول اور سمجھ سکتے ہیں۔" میں نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ صائقہ نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہمارا چوکیدار پٹھان ہے اور میرے بچے اس سے پشتو میں بات کرتے ہیں کک پنجابی ہے مالی سندھی اور میڈ سرائیکی ہے ڈرائیور بلوچی ہے یہ سب قدرتی ہے کہ سب زبانیں ہیں میں نے کبھی بھی ان کو ان سب کے ساتھ ان کی زبان بولنے سے منع نہیں کیا وہ بہت چھوٹے ہیں مگر سمجھ سکتے ہیں اور بول بھی۔" میں نے کافی اچھی طرح سے اسے جواب دیا تھا۔

"لو ان سب سے کیا ہوتا ہے زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے انگلش کا آنا بہت ضروری ہے۔" اس پہ شاید میری کسی بات کا اثر نہیں ہوا تھا۔

"وہ اسکول والے ہیں ناں خود ہی سکھا دیں گے۔" میرا پارہ اب چڑھنے لگا تھا۔

"میں تو آپ لوگوں کو رضا کی برتھ کا انویٹیشن دینے آئی تھی۔" وہ کارڈ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔ میں نے چہرے پہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے وہ کارڈ تھام لیا۔

"آپ لوگ ضرور آنا۔" وہ خوشدلی سے بولی میں نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"پھر بھی جاتے جاتے آپ سے کہہ رہی ہوں بچوں کو اپنے پاس ہی رکھا کریں یہ بزرگ لوگ بچوں کو بہت خراب کر دیتے ہیں۔" وہ اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے مجھے نصیحت کرنے لگی۔

"اور میں بات کو ایک ہی بار برداشت کیا کرتی ہوں۔ تمہارے سسر سرکاری نوکری کرتے تھے بڑی محنت سے انہوں نے ظفر بھائی کو اس مقام پہ پہنچایا ہے اور تمہاری ساس بہت سادہ اور اچھی عورت ہے اور وہ انگلش نہ بول سکتیں ہیں نہ سمجھ سکتیں ہیں اس لیے تم فی الحال رضا کو انگلش مت سکھاؤ بزرگوں کی صحبت میں بچے کبھی خراب نہیں ہوتے بلکہ سدھرتے ہیں آج تم ان سے انکا بیٹا اور پوتا دور کرو گی تو آگے شاید تمہارے ساتھ بھی۔" میں یہ کہہ کر خاموش ہو گئی تھی میں کہنا نہیں چاہتی تھی مگر اسکے خیالات مجھے اچھے نہیں لگے کسی کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ وہ ایک نظر مجھے دیکھ کر وہاں سے چلی گئی تھی اور میں اپنا سر تھام کر وہیں بیٹھ گئی تھی ہاں مجھے وہ سب یاد آنے لگا تھا وقت جگہ اور لوگ بدل گئے تھے مگر کہانی آج بھی وہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں امریکہ میں پیدا ہوئی حتیٰ کہ میری مما بھی اور انکی مما تو تھیں ہی وہیں سے یعنی میری نانی میرے نانا وہاں پر کسی کام کی غرض سے آئے اور پھر وہیں کے ہو گئے میری نانو سے شادی کی اور انکی ایک ہی بیٹی ہوئی یعنی میری مما اور ایک بیٹا یعنی میرے ماموں وہ لوگ بلکل نانی پہ گئے تھے کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی پاکستانی کی اولاد ہیں نانا کی فیملی نے انکی شادی کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اس لیے وہ کبھی گئے ہی نہیں مما کو اس لیے کبھی پاکستانی لوگ اچھے ہی نہیں لگے نانو نے اسلام قبول کر لیا تھا پھر بھی انہیں قبول نہیں کیا گیا۔

اور پھر قسمت نے اپنا چکر چل دیا نانا نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے قریبی دوست کے بیٹے سے کر دی مما خوش نہیں تھیں اس شادی سے میرے بابا بھی یہاں روزگار کی تلاش میں آئے تھے شادی دونوں فیملیز کی رضامندی سے ہو رہی تھی۔

جب مما نے اپنی شرط رکھ دی تھی کہ وہ شادی کے بعد کبھی پاکستان نہیں جائیں گی۔ شادی میں ایک دن تھا اور شرط کافی مشکل تھی خیر سب کو ماننے ہی بنی مجبوراً دادا دادی کو بھی امریکہ شفٹ ہونا پڑا مما کی بابا سے ناراضگی زیادہ لمبی نہیں چل پائی میرے بابا ہیں ہی اتنے سوئیٹ۔ میری پیدائش پہ سب خوش تھے۔ مما میرا نام فضا بابا افزاء اور دادو صفیہ رکھنا چاہتیں تھی۔

دادا نے میرا نام افصی رکھ دیا لڑائی ختم۔ میرے دادا کا انتقال میری پیدائش کے چھ ماہ بعد ہوا مما نے تب بھی پاکستان جانے سے صاف انکار کر دیا اور مجھے لے کر نانا کے گھر چلی گئیں۔ بابا دادو کی عدت تک وہیں ان کے پاس رکے اور پھر انہیں لے کر ہمیشہ کے لیے امریکہ واپس آ گئے۔ مگر ممی سے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ میری ماں کو اردو اور میری دادی کو انگلش نہیں آتی تھی اس لیے کبھی وہ دونوں گھل مل نہ سکیں اور مجھے دادو سے دور رکھتیں کہیں میں اردو سیکھ کر ان کے بھائی کے بچوں سے پیچھے نہ رہ جاؤں بابا چپ تھے مگر مصروف رہے کبھی ان دونوں کو ملانے کی کوشش ہی نہیں کی دادو مجھ سے باتیں کرتیں مگر میں کچھ سمجھ ہی نہ پاتی اور جب کبھی بابا اور دادو بیٹھے ہوتے تو میں بابا سے ٹرانسلیٹ کرواتی۔ مگر مما مجھے ان کے پاس بیٹھنے ہی نہ دیتیں۔

وقت گزرتا گیا میں جوان اور دادو مزید بوڑھی ہو گئیں۔ وہ زبردستی مجھے پکڑ کر سر میں تیل سے مساج کرتیں اور میں چڑ کر بھاگ جاتی میں اپنے کالج کی سٹار تھی خوبصورت تھی بھلا تیل لگا کر میری کیا پرسنیلٹی رہ جاتی۔ مجھے تو میری ماں نے ان سے دور رہنا سکھایا تھا ان تو کیسے قریب ہو جاتی۔

میں ان سے بہت محبت کرتی ہوں

مگر جب رات کو سر میں درد ہوتا نیند نہ آتی تو۔ میں چپکے سے ان کے بستر پہ ان کے ساتھ لیٹ جاتی انکی انگلیوں کے لمس سے میری روح تک معطر ہو جاتی۔ اور پھر ہم دونوں نے ایک نئی زبان سیکھ لی تھی محبت کی آنکھوں کی۔

اور پھر انہی دنوں میری ملاقات عاقف سے ہوئی۔ وہ ایشین بیوٹی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ میں تو دیکھنے میں بالکل امریکن نہیں لگتی تھی۔ کالے بال کالی آنکھیں بس یہ سفید رنگت تھی جو بتاتی تھی کہ کہیں نہ کہیں ملاوٹ ہے۔

عاقف یہاں پڑھائی کی غرض سے آیا تھا اسکے بابا کا بہت بڑا بزنس تھا۔ اور وہ انکا اکلوتا بیٹا عاقف تو ہر دلعزیز تھا لڑکیاں مرتیں تھیں اس پہ اور وہ بے چارہ مجھ پہ مرمٹا نوٹس کافی کے بہانے ہونے والی یہ چھوٹی چھوٹی ملاقاتیں کب محبت میں بدل گئیں کسی کو پتہ ہی نہ چل سکا۔

اور پھر ایک بہت سہانی شام میں مجھے عاقف اپنے ساتھ ڈنر پہ لے گیا۔ اور پھر وہیں اس نے مجھے پرپوز کر دیا۔ سچ کہوں تو میں بھی اسکی محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی کیسے انکار کرتی مسکرا کر اسکے ہاتھ سے انگوٹھی پہنی۔ اور اگلے دن اسے گھر پہ ڈنر پہ انوائیٹ کر لیا وہ رات میری زندگی کی خوبصورت ترین رات تھی۔ اسنے مجھ سے بڑے بڑے وعدے نہیں کئے تھے بس اپنی تمام تر محبت اور شدت کے ساتھ

مجھے اپنا شریک سفر بنانا چاہتا تھا۔ وہ مقام جو مغرب کی عورت کو بہت کم مرد دیتے ہیں۔ ہاں میں تھی مغرب کی عورت وہی میرا ملک تھا اور میں وہیں کی کہلاؤں گی۔ اور پھر خوبصورت سپنے سجائے آنکھوں میں میں سو گئی۔ اگلی صبح تو پچھلی رات سے بھی زیادہ حسین تھی۔ میں نے صبح ناشتے کی میز پہ ہی سب کو بتا دیا تھا۔

"پاپا آپ عاقف کو جانتے ہیں ناں۔" میں نے کن آنکھیوں سے پاپا کی طرف دیکھا دادو سر جھکائے ناشتے میں مشغول تھیں مما نے چائے کا سپ لیتے ہوئے مجھے حیرت سے دیکھا۔ اور اپنا ناشتہ چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہاں بیٹا وہ آپکا دوست جو کل بھی آپکو گھر ڈراپ کرنے آیا تھا۔" انہوں نے مجھ سے تائید چاہی۔ اور میں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

مجھے ایک خاص حد تک آزادی ملی تھی میری لڑکوں سے سلام دعا والی دوستی وہ بھی مما بابا کی نگرانی میں قبول کی جا سکتی تھی۔ مگر بوائے فرینڈ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس معاملے میں پاپا نے مجھ پہ کافی کڑی نظر رکھی ہوئی تھی قمیض شلوار البتہ میں عید پہ ہی پہنتی تھی۔ عام روٹین میں پینٹ شرٹس اپر اور کچھ بھی جو یونی کی باقی لڑکیاں پہنتیں مگر میرا لباس ڈھکا ہوا ہوتا۔ مما نے مجھے کبھی کسی کام سے نہیں ٹوکا۔ اب جب میں عاقف کی نشاندہی کر چکی تھی۔ تو اب سبھی میری اگلی بات کے منتظر تھے اور میں نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔ اگلی صبح تو پچھلی رات سے بھی زیادہ حسین تھی۔ میں نے صبح ناشتے کی میز پہ ہی سب کو بتا دیا تھا۔

"پاپا عاقف مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" میں نے ایک نظر سب کو دیکھا دادو سر جھکائے مسکرا دیں۔ پاپا پر سوچ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم اسے انکار کر دو۔" جبکہ مما نے کپ کو زور سے ٹیبل پہ پٹخا اور اپنا فیصلہ سنا کر چلی گئیں۔ مما کی بات نے میرے پیروں تلے کی زمین کو ہلا کہ رکھ دیا تھا۔

"میں نے آج رات اسے ڈنر پہ بلایا ہے آپ ایک بار اس سے مل لیں پھر کوئی فیصلہ کیجیے گا۔" میں نے آگے بڑھ کر مما کا راستہ روکا۔

"میرا اب بھی انکار ہے اور اس سے ملنے کے بعد بھی انکار ہی ہو گا۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔ میری آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں تھیں۔ مما اتنا شدید ری ایکٹ کریں گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ میں کسی حال میں عاقف کو کھونے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مجھے کوئی اتنا اچھا لگا تھا۔

"بیٹا آپ عاقف کو بلا لیں آپکی مما سے میں بات کر لوں گا۔" پاپا امید کی کرن دیکھا کر جا چکے تھے۔

انسان اپنے اصل کی طرف ایک نا ایک دن لوٹ ہی جاتا ہے۔ دادو ایک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں اور مجھے انکی بات سمجھ ہی نہیں آئی اردو سمجھتی تو مفہوم سمجھتی نا۔

عاقف کو میں نے کبھی گھر پہ نہیں بلایا تھا آج وہ پہلی بار آ رہا تھا۔ پاپا رات کو جلدی گھر آ گئے تھے۔ مما سارا دن کمرے سے باہر ہی نہیں آئیں۔ آفس بھی نہیں گئیں۔ دادو بس مجھے دیکھ دیکھ کر مسکراتیں رہیں اور میں سارا دن تیاریوں میں مصروف رہی جو کر سکتی تھی کیا باقی

آرڈر پہ کھانا منگوایا اور خود تیار ہو کر عاقف کا انتظار کرنے لگی۔ دل ڈر بھی رہا تھا کہ انکار ہو گیا تو۔ خیر اللہ کر کے بابا مما کو منا کر باہر لے ہی آئے تھے۔ ڈور بیل پہ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

دروازے سے عاقف کو میں نے ہی رسیو کیا تھا وہ مجھ سے بھی زیادہ ڈرا ہوا تھا۔ وہ بوکے میری طرف بڑھا کر اندر آ گیا۔ میں بوکے میز پہ رکھ کر اسکے پیچھے چل دی اسکے ہاتھ میں ایک اور شاپنگ بیگ تھا۔ جو وہ دادو کے لیے لایا تھا سب لوگ لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ دادو کو وہ کافی اچھا لگا تھا۔ وہ کافی دیر ان سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اور اس وقت وہ مجھے اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔ وہ چوری چوری مجھے دیکھ رہا تھا اور میں کھانا لگا رہی تھی۔ کھانا کافی خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ بابا اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے تھے۔ ہوں تو میں امریکن مگر میں اپنے ممی پاپا کی مرضی کے خلاف ان کو ناراض کر کے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ عاقف کا کھانا کھاتے ہی انٹرویو شروع ہو گیا تھا۔

"کیا کرتے ہو آپ؟" یہ سوال مما کی طرف سے تھا۔

"جی آنٹی فی الحال تو پڑھائی کر رہا ہوں باقی پاکستان میں ٹیکسٹائل کا بہت بڑا بزنس ہے ہمارا۔" عاقف نے سر جھکائے جواب دیا۔

"یعنی تم کچھ نہیں کرتے اپنے باپ کے آسرے پہ ہو۔" مما کا انداز کافی ہتک آمیز تھا۔ عاقف پہلو بدل کے رہ گیا مجھے اچھا نہیں لگا مگر میں کیا بولتی۔

"نہیں آنٹی میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں سب کچھ میرا ہی ہے۔" عاقف نے اپنا دفاع کرنا چاہا۔

"بیٹا ہم تو وہ سب کچھ تمہارا مانیں گے جو تم اپنی محنت سے بناؤ گے رہی آپ کے پاپا کی دولت تو اگر کل کو تمہیں انہوں نے عاق کر دیا تو۔" مما کی اپنی ہی کو سوچ تھی۔

"وہ مجھے عاق کیوں کریں گے۔" عاقف حیران ہوا تھا۔

ہماری بیٹی سے شادی کرنے کے جرم میں اور ایسے میں ہماری بیٹی در بدر ہو جائے گی۔ مما نے صاف لفظوں میں کہا۔

"افصی سے شادی کرنا جرم کیسے ہوا۔" وہ مما کی باتوں سے از حد پریشان ہوا تھا۔ دوسری طرف میں اس خوف میں مبتلا تھی کہ عاقف کو کچھ برا نہ لگ جائے۔

"کیوں کے تم اپنا رشتہ خود لے کر آئے ہو اسکا مطلب ہے کہ تمہارے والدین اس سب سے بالکل انجان ہیں۔" مما نے ایک جتاتی نظر مجھ پہ ڈالی اور میں نے سر شرمندگی سے جھکا لیا۔ میں یہ سب جتنا آسان سمجھ رہی تھی یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔

"آنٹی وہ لوگ بھی آ جائیں گے پہلے آپ لوگ تو مان جائیں۔" عاقف کسی بھی طرح ان کو منا لینا چاہتا تھا۔ پاپا بالکل خاموش بیٹھے تھے اور یہ میرے لیے بہت حیران کن بات تھی۔

"تو ٹھیک ہے تم ان لوگوں کو لے آؤ پھر بات ہو گی۔" ممابات ختم کر کے وہاں سے چلیں گئیں تھیں۔ عاقف کا چہرہ اسکی پریشانی کا غماز بنا ہوا تھا وہ دادو سے مل کر چلا گیا تھا شدید سردی کی رات وہ رات ہم دونوں سو نہیں پائے تھے۔ کئی بار سوچا کہ ایک دوسرے سے بات کریں مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"آپ نے کل عاقف سے کوئی بات نہیں کی کیوں اور مما جو بولتیں رہیں بولنے دیا۔" اگلی صبح میں نے پاپا سے پوچھ ہی لیا۔ میں کافی غصے میں تھی۔

"میں مجبور تھا۔" وہ پریشانی سے بولے۔

"کیوں؟" میں حیران ہوئی۔

"تمہاری مما کو اسی شرط پہ منا پایا کہ بات وہ کریں گی اور میں خاموش رہوں گا۔" وہ آفسردگی سے بولے۔

"اور فیصلہ وہ وہ کون کرے گا۔" میں اب کافی پریشان ہو گئی تھی۔

"وہ بھی وہی کرے گی۔" پاپا کی بات نے مجھے ہلا کہ رکھ دیا تھا۔

آپ لوگ ایسا نہیں کریں گے۔ میں نے خود کو تسلی دینا چاہی۔

"میں نہیں تمہاری ماں ایسا کرے گی تم عاقف کے گھر والوں کو آنے دو پھر بات کریں گے۔" پاپا میرا سر تھپک کر وہاں سے چلے گئے۔ اور میں انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عاقف کے پاپا کی ان دنوں طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔ اور انہیں جہاز کا سفر منع تھا وہ چاہ کر بھی نہیں آ پائے مگر فون پر انہوں نے مما پاپا دونوں سے بات کی تھی مما زیادہ خوش نہیں تھیں اس رشتے سے وہ لوگ چاہتے تھے کہ ہم نکاح کے بعد پاکستان چلے جائیں۔ اور وہیں ہمارا ولیمہ ہو۔ پاپا کو تو کوئی خاص اعتراض نہیں تھا۔ مگر مما نے اس بات سے بہت اختلاف کیا تھا وہ چاہتیں تھیں کہ عاقف شادی کے بعد یہیں رہے۔ مگر وہ مجبور تھا ایسا ممکن نہیں تھا اور میں تو عاقف کے ساتھ رہنا چاہتی تھی چاہے وہ افریقہ کے جنگلات میں بس جائے۔ میری ضد کے سامنے مما کو ہار ماننا پڑی تھی۔ مگر وہ دل سے راضی نہیں تھیں۔

چند دوستوں اور گھر والوں کی موجودگی میں ہمارا نکاح ہوا تھا۔ اور ایک ہفتے بعد ہم یہاں سے پاکستان جانے والے تھے۔ دادو اور بابا بہت خوش تھے۔ اس دوران ہم نے کچھ شاپنگ کی اور اپنی پیکنگ کچھ دوستوں کے ڈنر بھگتائے۔ اور پھر ہر لڑکی کی طرح میں بھی اپنی زندگی اپنا لائف اسٹائل اپنے جان سے پیارے رشتے اپنا ملک سب چھوڑ کر عاقف کے ساتھ آ گئی۔ عاقف کے فرینڈز نے ہمیں ایئرپورٹ پر بہت اچھا ویلکم کیا تھا۔ اتنا پیار جوش و خروش شرارتیں میں سب پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ عاقف سے کچھ کہہ رہے تھے وہ ہنستا جاتا مگر میں

کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس مسکرا رہی تھی۔ عاقف کا گھر بہت سے لائٹس سے سجایا گیا تھا۔ ہم پہ پھولوں کی پتیاں پھینک کر ہمارا استقبال کیا گیا۔ مجھے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کاش مما بابا بھی ہوتے ان کی یاد آتے ہی میں اداس ہو گئی تھی۔ پاپا آنا چاہ رہے تھے مگر میری ماں کی وہی ضد کہ میں نہیں جاؤں گی۔ بیٹی کی خوشی کا بھی خیال نہ کیا۔ دادو کی بیماری کا بہانا بنا کر آخر وہ لوگ رک ہی گئے۔

ہمارا ولیمہ بہت شاندار ہوا تھا۔ سب لوگ مبارک باد دیتے آ کر البتہ ممی عاقف کی مما سے میری ابھی تک ٹھیک سے بات نہیں ہو پائی تھی۔ ولیمہ ختم ہوا اور دعوتوں کا نا ختم ہونے والا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ مجھے کافی مشکالت کا سامنا تھا ایک تو وہ کپڑے پہننے پڑ رہے تھے جو میں نے کبھی نہیں پہنے جیز شرٹ سے میں سیدھا بھاری کام دار ریشمی جوڑوں پہ آ گئی تھی۔ جب چینج کرتی تب بھی مجھے سادہ سا قمیض شلوار پہننا پڑتا اور اتنی بھاری جیولری یہ سب میری بری کا سامان تھا۔

"عاقف میں یہ سب پہننے کی عادی نہیں ہوں پلیز ٹرائے ٹو انڈرسٹینڈ۔" میں کافی زیادہ تنگ آ چکی تھی اس سب سے آج ہماری دعوت عاقف کی پھوپھو کے ہاں تھی۔ اس لیے ممی نے خود مجھے ایک سوٹ نکال کر اس کے ساتھ جیولری میچ کر کے دی تھی۔ مگر وہ اتنا بھاری اور کام دار سوٹ تھا کہ مجھے لگ رہا تھا کہ میں اس کے نیچے آ کر مر جاؤں گی۔

"افصی یار مما کو اچھا نہیں لگے گا اگر تم یہ نہیں پہنو گی۔" عاقف اپنی جگہ پریشان تھا۔

"کم آن عاقف ان کی خوشی کی خاطر ہی اتنے دنوں سے خاموش ہوں۔" میں نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی تھی۔

"کول ڈاون" عاقف نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس بٹھایا۔

"کیا کول ڈاون تمہیں انہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ میں سب نہیں پہنتی۔" میں ابھی بھی ناراض تھی۔

"مجھے معاف کر دو میں نے تم سے ایک بات چھپائی۔" وہ کچھ شرمندگی سے بولا۔

"کونسی بات؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا۔

"پہلے ہی تمہارے ممی پاپا نہیں مان رہے تھے اگر میں اپنی ممی کو سب سچ بتا دیتا تو وہ بھی صاف انکار کر دیتیں۔" وہ شرمندگی سے سر جھکائے بولا۔

"ایسا کیا کہہ دیا تم نے ان سے۔" میں پریشانی سے اسکے جھکے سر کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے ان سے کہا کہ تم بالکل پاکستانی لڑکیوں کی طرح ہو قمیض شلوار پہنتی ہو اور یہ لباس تمہیں بہت پسند ہے۔ دوپٹہ اوڑھ کے رکھتی ہو۔ اردو سے اردو ادب سے بہت لگاؤ ہے تمہیں۔ بس جھجک کی وجہ سے ہر کسی سے اردو میں بات نہیں کرتیں تم کھانا پکانے میں ماہر ہو تمہارا ایسا امیج بنانا پڑا مجھے اگر ممی کو زرا سا بھی شک ہو جاتا کہ ان میں سے ایک بات بھی سچ نہیں وہ کبھی مجھے تم سے شادی نہ کرنے دیتیں۔ وہ ایک انگریز بہو کو کیسے قبول کرتیں۔" وہ اپنی پریشانی مجھے سنا رہا تھا۔ اور میرا پورا وجود سن ہو گیا۔

"یہ کیا کیا تم نے یہ سب کب تک چھپے گا۔" میں نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

"میں نے سوچا شادی ہو جائے سب کو سب کچھ بتادوں گا۔" وہ میرا چہرہ اوپر کرتے ہوئے بولا۔

"عاقف جھوٹ جھوٹ ہوتا ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا یہ رشتوں کی بنیاد کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔کچھ بھی تھا تمہیں ان کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا جھوٹ کیوں بولا۔" میں شدید غصے اور غم کے زیر اثر تھی عاقف کی نظر میں یہ بہت معمولی جھوٹ تھا۔ مگر اس جھوٹ سے میرے اور میری ساس کے رشتے میں جو دراڑ پڑنے والی تھی وہ صرف مجھے نظر آرہی تھی۔مجھے اب دعوت میں بھگتا لوگوں کا رویہ یاد آنے لگا تھا وہ جب مجھ سے بات کرتے اور میں خاموش رہتی یا کہتی کہ انگلش میں پوچھیں تو ان کی آنکھوں کی میں عجیب سا تاثر نظر آتا تھا۔اور اب مجھے وہ سمجھ آرہا تھا انہیں لگتا تھا کہ میں شو آف کر رہی ہوں۔یا انہیں دکھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ مجھے انگلش آتی ہے انہیں نہیں۔ مگر مجھے کیا معلوم کے انہیں عاقف کے توسط سے یہ پتہ چلا ہے کہ مجھے اردو آتی ہے۔

بحر حال اب اس جھوٹ میں مجھے عاقف کا ساتھ دینا تھا وہ اردو کے چھوٹے چھوٹے جملے سکھانے لگا تھا۔جو اٹک اٹک کے مگر میں بول لیتی تھی۔دعوتوں کا سلسلہ تمام ہوا تو میرے سر پہ کچن کی ذمے داری آن پڑی۔اب اس جھوٹ کو کور کرنے کے لیے ہمیں ایک اور جھوٹ بولنا پڑا کہ مجھے پاکستانی کھانے نہیں آتے باقی آپ مجھ سے کسی بھی ملک کا کھانا پکوا لیں۔یہاں میری ساسوں موم اور ہمارے کک نے کافی مدد کی میری ساس چاہتیں تھیں کے کک کو میں گائیڈ کروں مگر یہاں کک مجھے گائیڈ کر رہا تھا۔عاقف نے آفس جوائن کر لیا تھا میں کچن کا کام اتنا نہیں کرتی تھی بس تھوڑا سا کیوں کے کک سندھی تھا اسے میری سمجھ نہیں آتی تھی۔اور مجھے اسکی اس لیے کچن سے کافی جلدی میری مستقل چھٹی ہو گئی تھی۔اب گھر میں بچا ہی کیا تھا کرنے کے لیے۔پاپا اخبار کے لیے کالم لکھتے تھے ادھر عاقف نے کام سنبھالا ادھر وہ گھر بیٹھ گئے۔میں شام کی چائے بنا کر ان کی سٹڈی میں لے گئی۔وہ بہت سارے کاغذات بکھرائے بیٹھے تھے۔مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں ان کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اخبار پڑھتی ہو۔" وہ اپنا کام مکمل کرتے ہوئے میری طرف متوجہ ہوئے۔

سوال اردو میں تھا مجھے سمجھ تو نہیں آیا۔ مگر میں نے سر ہلا دیا۔

"اچھا تو میرے کالم پڑھے ہیں کبھی۔" یہ بات میری ہی زبان میں پوچھی گئی تھی۔اس لیے میں نے سر کو نفی میں ہلایا۔

"ہمم"۔انہوں نے ہنکارا بھرتے ہوئے ایک نظر اخبار کو دیکھا اور پھر میری طرف۔

"اب پڑھ لو" انہوں نے اخبار میری طرف بڑھایا،میرا سانس حلق میں اٹکنے لگا تھا۔ تبھی میں نے انہیں سب کچھ بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"آئی ایم سوری پاپا میں اردو کو ٹھیک سے پڑھ نہیں پاتی مجھے سمجھ نہیں آتی آگر آپ اسے انگلش میں ٹرانسلیٹ کر کے مجھے سنا دیں گے تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔" یہ آگ عاقف نے لگائی ہے وہی بجھائے بھی یہ سوچ کر میں بات بدل گئی تھی۔ان کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں اپنے کمرے میں آگئی تھی۔میری شادی کو چھ ماہ ہونے والے تھے اور آج بھی مجھے اس گھر سے اجنبیت محسوس ہوتی تھی۔سارا دن خاموش رہ رہ کر میں تنگ آگئی تھی۔ جھوٹ کہ پاؤں نہیں ہوتے یہ سب ڈرامہ کب تک چلتا۔میں اب کچھ کچھ اردو سمجھنے لگی تھی کچھ لفظ

بول بھی لیتی تھی میرے لیے یہ بہت مشکل تھا۔ آخر میں بوریت سے تنگ آکر ممی کے پاس ان کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ کمبل اوڑھے کوئی کتاب پڑھ رہیں تھیں۔

"ارے آؤ بیٹھو۔" ممی مجھے دیکھ کر کافی خوش ہوئیں تھیں۔ وہ بھی میری ہی طرح تنہائی کا شکار تھیں۔ وہ اپنے زمانے کی اردو کی پروفیسر رہ چکیں تھیں اردو ادب سے بہت لگاؤ تھا انہیں۔

"عاقف آگیا۔" انہوں نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ میں نے سر نفی میں ہلایا۔

شام ڈھل چکی تھی مگر عاقف ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ تقریباً دیر سے ہی آتا تھا کیونکہ نیا نیا بزنس سٹارٹ کیا تھا اس پہ کام کا بہت بوجھ تھا۔ اور میں گھر پہ اکیلی بور ہوتی رہتی کال کرتی تو میں بزی ہو فری ہو کر بات کرتا ہوں کہہ کر کال کٹ کر دی جاتی۔ باتیں کرنے کے لیے گھر میں کوئی نہیں تھا۔

"تمہارے گھر والے کیسے ہیں؟" ممی نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا

"ٹھیک ہیں شکر ہے اللہ کا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اب تمہاری دادو کیسی ہیں۔" ایک اور سوال۔

"جی اب تو بالکل ٹھیک ہیں۔" میں نے اب کے پھر مسکراہٹ سجائی۔

"تمہارے گھر والے ایک بار بھی نہیں آئے؟" ممی نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا۔

"بس وہ دادو ٹریول نہیں کر سکتیں" میں نے فوراً بات سنبھالی اب کیا بتاتی انہیں۔

"تم خوش تو ہوناں یہاں پہ۔" ممی نے مجھے جانچتی نظروں سے دیکھا۔

"ہاں میں خوش ہوں۔" میں نے فوراً اپنے لبوں پہ مصنوعی مسکراہٹ سجائی۔

ان کا پوچھنا بنتا تھا میں آج کل واقع بہت پریشان تھی۔

"عاقف بتا رہا تھا کہ تمہیں بانو قدسیہ بہت پسند ہیں اسپیشلی ان کا ناول راجہ گدھ۔ میرا بھی فیورٹ ہے۔ اس طرح تو تمہیں اشفاق احمد بھی بہت پسند ہوں گے۔" ممی بڑی اشتیاق سے مجھ سے پوچھ رہیں تھیں۔ پر خدا گواہ ہے میں نے ان دونوں عظیم ہستیوں کا نام ہی پہلی بار سنا تھا۔ میرا پورا وجود لرز کے رہ گیا تھا۔

"اشفاق احمد کی کون کون سی بکس فیورٹ ہیں تمہاری۔" ممی کے سوال پہ سوال اور میری زبان گنگ ہو چکی تھی۔ تبھی پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی تھی۔

"عاقف آگئے۔" میں کہتے کے ساتھ ہی وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔ ممی نے حیرت سے مجھے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اپنی کتاب واپس اٹھا لی۔ میں اپنے کمرے میں آئی تو عاقف اپنے جوتے اتار رہا تھا۔ برعکس بیڈ پہ پڑا تھا کوٹ کرسی پہ ایک موزہ رائٹ ایک لیفٹ جوتے

آڑے ترچھے ٹائی بیڈ کی پائنتی پہ یعنی ہر سو بے ترتیبی۔ زندگی میں پہلی بار عاقف کو دیکھ کر مجھے بلکل خوشی نہیں ہوئی۔ اور رہی سہی کسر اس بے ترتیبی نے پوری کر دی۔

"تم آخر کب بڑے ہو گے اور کب تمہیں اس بات کی سینس آئے گی کہ یہ بیڈ روم ہے اسٹور روم نہیں۔" میں نے شدید غصے کے عالم میں اسے گھورا۔ وہ شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے ٹھٹھکا اور میری طرف حیرت سے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے اتنے غصے میں کیوں ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم پاکستانی مرد نہ کبھی سدھر ہی نہیں سکتے کچھ بھی کر لو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ سکتے نہیں تم لوگوں کا قصور نہیں ہے تم لوگوں کی فطرت ہی ایسی ہے۔" میں اس پہ الٹ پڑی تھی۔ کیا کرتی کب تک ایک جھوٹ کو چھپایا جا سکتا ہے۔

"ہوا کیا ہے افصی کیوں اتنا غصہ کر رہی ہو۔" عاقف نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس بٹھایا۔

"دور ہٹو مجھ سے مجھے تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنی۔" میں شدید صدمے کے زیر اثر تھی زور زور سے رو دی۔

"کم آن اصفی بتاؤ کیا ہوا ہے کسی نے کچھ کہا ہے ہوا کیا ہے۔" عاقف کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

"تم ہو نا میرا جینا حرام کرنے کے لیے کی اور کسی کیا ضرورت ہے۔" میرا غصہ کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا

"اوکے میں بہت برا ہوں مگر ہوا کیا ہے بتائیں گی پلیز۔" وہ منتوں پہ اتر آیا تھا۔

"تم نے ممی سے کہا کہ مجھے بانو قدوس بہت پسند ہیں اور وہ کیا نام ہے احمد اشتیاق بہت پسند ہیں میں پوچھتی ہوں یہ دونوں ہیں کون۔" میں مزید بھڑک گئی تھی۔ عاقف نے پہلے مجھے نا سمجھی کے عالم میں دیکھا اور پھر ہنس دیا۔

"ہاں ہاں ہنس لو تم بھی اس سب میں تم نے مجھے پھنسایا ہے۔" مجھے اور بھی غصہ آنے لگا تھا۔

"نہیں میں اس لیے نہیں ہنس رہا۔" عاقف نے فوراً اپنی ہنسی ضبط کی۔

"پھر کیوں ہنس رہے تھے۔" میں مشکوک ہوئی۔

"تم نام غلط لے رہی ہو وہ بانو قدوس نہیں بانو قدسیہ ہیں اور احمد اشتیاق نہیں اشفاق احمد۔" اس نے ہنستے ہوئے میری تصیح کی۔

"ہاں جو بھی ہیں میرے رشتے دار تھوڑی ہیں جو نام یاد ہوں گے۔" میرا غصہ اب بھی کم نہیں ہوا۔

"اچھا اب کیا چاہتی ہو تم میں کیا کروں۔" وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پیار سے بولا۔

"تم انہیں جا کر سب سچ سچ بتا دو۔" میں نے اپنی بات اس کے سامنے رکھی۔ وہ تھوڑی دیر مجھے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگر تم ایسا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھا۔

"اور ہاں پاکستانی مرد اتنے بھی برے نہیں ہوتے اگر برے ہوتے تو تم مجھ سے شادی تو نہ کرتی۔" وہ مسکرا کر آگے بڑھ گیا اور میں اس کی پشت کو دیکھ کر رہ گئی۔ عاقف کے جانے کے تھوڑی دیر بعد میں اسکے پیچھے گئی تھی۔ ممی پاپا کے کمرے سے ان تینوں کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔

"آئی ایم سوری ممی میں بہت ڈر گیا تھا مجھے لگا آپ انکار کرو گی تو میں کیا کروں گا اس لیے افصی کا خاکہ ہی ایسا بنایا کہ آپ لوگ انکار نہ کر سکو۔"

"تم نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔" ممی کی آنسوؤں سے ڈوبی آواز ابھری۔

"اس میں کیا خاص بات ہے جو تم اس کے عشق میں پاگل ہو گئے۔" اس کے لیے اپنے ماں باپ کو دھوکہ دیا ہم سے جھوٹ بولا۔ ممی مسلسل رو رہیں تھیں۔ ناجانے کیوں میں خود کو مجرم تصور کرنے لگی تھی۔

"ممی اسے میری پہلی اور آخری غلطی سمجھ کے معاف کر دیں۔" عاقف ان کی منتیں کر رہا تھا۔

"دور ہو جاؤ میری نظروں سے تمہارے لیے یہ چھوٹا سا جھوٹ ہو گا مگر میرے لیے نہیں ایک عورت اپنی نسل سنوارتی ہے وہ جو خود کچھ نہیں جانتی تمہارے بچوں کو کیا سکھائے گی۔" ممی کی آواز میں غصہ تھا۔ مجھے ان کے جملے نے بہت دکھ دیا تھا۔ مگر میں تو قصوروار تھی ان کی نظر میں مگر اتنا جرم بھی نہیں تھا۔

"ممی وہ صرف اردو بولنا نہیں جانتی بس اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اب تو اردو سمجھنے لگی ہے وہ۔" عاقف میرے دفاع میں بول رہا تھا۔

"کیا اچھائی ہے اس میں خاندان کو کیسے ہینڈل کرنا ہے کچن کیسے سنبھالنا ہے گھر آئے مہمان کو کیسے ڈیل کرنا ہے کچھ بھی آتا ہے کیا اسے۔ ڈریسنگ سینس تک نہیں ہے اسے کیا پہننا ہے کب کہاں اور کیسے۔ معاف کرنا بیٹا ایسی لڑکیاں دل لبھا سکتیں ہیں۔ گھر نہیں بسا سکتیں۔" ان کا غصہ ان کے الفاظ سب سمجھ میں آنے لگے تھے اتنا تو تھا کہ اب میں بات کو سمجھ لیتی تھی۔ میں افسردگی سے سر جھکائے وہاں سے واپس آ گئی۔

عاقف جب کمرے میں آئے ان کا موڈ بتا رہا تھا کہ ممی نے انہیں بہت کچھ سنایا ہے۔ وہ مجھ سے بنا بات کیے منہ پھیر کر سونے لیٹ گیا۔

"عاقف کھانا تو کھا لیتے۔" میں جانتی تھی کہ وہ بھوکا ہے وہ کھانا میرے ساتھ ہی کھاتا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں نیند آرہی ہے تم بھی سو جاؤ۔" وہ کہتے کے ساتھ ہی خاموش ہو گیا۔ میں سمجھ گئی کہ وہ غصے میں ہے۔ اس لیے میں بھی خاموش ہو گئی۔ یہ سب تو ہونا ہی تھا مگر میری جذباتیت کی وجہ سے اسے بھوکا سونا پڑا وہ اپنے ممی پاپا کو کول نہیں کر پایا۔ میں خود کو الزام دیتی سونے لیٹ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح بہت بوجھل تھی عاقف میرے اٹھنے سے پہلے ہی آفس جا چکا تھا۔ ورنہ وہ مجھے لازمی جگاتا۔ میں خود بہت پریشان تھی۔ فریش ہو کر نیچے آئی تو پاپا کو اخبار پڑھ رہے تھے۔ ان کے قریب رکھی چائے اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ ناشتہ کر چکے ہیں۔ ورنہ ہم سب ایک ساتھ ناشتہ کرتے تھے۔ عاقف یقیناً بھوکا آفس گیا ہو گا۔ میں سوچ کر اور بھی آفسردہ ہو گئی تھی۔ ممی کک کو دوپہر کے کھانے کے لیے ہدایت دے رہیں تھیں۔ میں بھی تو کل رات سے بھوکی تھی۔ مگر نجانے کیوں کسی چیز کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

دو چار دن سے ویسے بھی میری طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔ میں انہیں ایک نظر دیکھ کر خاموشی سے واپس آگئی تھی۔ پاپا نے مجھے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ ممی کچن سے آئیں تو مجھے دیکھ کر بھی ان دیکھا کر دیا۔ مجھے ان دونوں کا بلکہ تینوں کا رویہ بہت تکلیف دے رہا تھا۔ میں پوچھتی ہوں اس سب میں میرا کیا قصور تھا؟۔ عاقف بھی مجھ سے ناراض اور یہ سب بھی۔ میں خاموشی سے اپنے کمرے میں واپس چلی گئی۔ پورا دن میں اپنے کمرے میں بند رہی تھی۔ بھوک سے برا حال تھا مگر اس ماحول میں کون کھانا کھا سکتا ہے۔ رات کو جب عاقف آیا مجھے لگا اب اسکا موڈ ٹھیک ہو گا۔

"عاقف تم آگئے میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" میں نے خوشدلی سے اسے ویلکم کہا تھا۔ مگر اس نے مجھے دیکھا تک نہیں۔

"میں تمہارے لیے کھانا لاؤں تم صبح بنا، ناشتے کئے چلے گئے۔"

"تم آتے ہی شروع ہو جاتی ہو کبھی خاموش بھی رہا کرو۔" وہ مجھ پہ برس پڑا۔ میں نے اس سے کھانے کا ہی تو پوچھا تھا۔

"ایسے کیوں ڈانٹ رہے ہو کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" میں اب اور بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ تم کھالو۔" اس نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

"میں کل رات سے بھوکی ہوں اور تم کھانا کھا کر آئے ہو ٹھیک ہے گڈ نائٹ تم رہو غصے میں۔" میں بھی شدید طیش کے عالم میں اسے سنا کر بیڈ کی دوسری جانب بیٹھ گئی۔ ایک بات سچ تھی کہ وہ غصے سے زیادہ مجھے پریشان لگ رہا تھا اور وہ اتنی سی بات پہ کیوں پریشان تھا اس پہ میں پریشان تھی۔ وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔ میری ناراضگی پل میں دور ہو گئی اسے میری پرواہ تھی۔

"اٹھو کھانا کھالو"۔ وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ میں یونہی آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی رہی۔

"اچھا آئی سوری مجھے تمہارے ساتھ ایسا بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر میں بہت پریشان تھا تم سے اس لیے بات نہیں کی کہ کہیں تم بھی پریشان نہ ہو جاؤ۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"یعنی میں اس طرح پریشان ہو جاؤں جان سولی پہ ٹنگی رہے یہ ٹھیک ہے۔" میں اٹھ بیٹھی مگر غصہ کم نہیں ہوا۔

"اچھا بابا سوری نیکسٹ کبھی نہیں کروں گا۔" وہ میرے کان پکڑ کے بولا۔

"اپنے کان پکڑو۔" اس کی اس حرکت پہ مجھے ہنسی آ گئی تھی۔ پھر اسنے مجھے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا میرا موڈ اب کافی بہتر تھا۔ وہ آفس سے کھانا کھا کر نہیں آیا تھا۔ جس کے لیے میں سب چھوڑ کر آئی جب وہ ہی میرے ساتھ ٹھیک نہیں تو کیا فائدہ ۔ مگر اب میں ریلیکس تھی وہ میرے ساتھ تھا۔

"بتاؤ کیوں پریشان تھے تم۔" ہم کھانا کر فارغ ہوئے تو میں نے اس سے اسکی پریشانی وجہ پوچھ ہی لی۔

"تم چھوڑو بس کوئی خاص بات نہیں۔" اس نے مجھے ٹالنا چاہا۔

"تمہیں میری قسم سب سچ سچ بتاؤ۔" میں بضد تھی ایسے کیسے چھوڑ دیتی۔

"رہنے دو اس بات کو میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا"۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"میں اپنی قسم دے چکی ہوں۔" میں نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ممی نے بہت مشکل فیصلہ سونپ دیا ہے مجھے۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کہ بولا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا۔

"وہ چاہتیں ہیں کے۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ ایک نظر مجھے دیکھ کر خاموش ہوا۔ میں بھی خاموشی سے اسکی جانب دیکھتی رہی۔

"کہ میں تمہیں چھوڑ دوں"۔ اس نے مجرمانہ انداز میں سر جھکاتے ہوئے کہا۔ میرا پورا وجود سن ہو گیا تھا۔ میں پوچھنا چاہتی تھی کیوں مگر میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"تم پریشان مت ہو میں کبھی نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔" عاقف نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے مجھے حوصلہ دیا۔

"اگر انہوں نے تمہیں مجبور کیا۔" میری آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں تھیں۔

"میں نہیں ہوں گا مجبور کبھی بھی تم فکر مت کرو۔ وہ وقتی طور پہ غصے میں ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے سر اثبات میں ہلا دیا مگر میں بہت ڈر گئی تھی عاقف کو چھوڑنے کا تصور بھی میرے لیے موت تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مجھے حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔ اتنی سی بات پہ کوئی ماں کیسے اپنے بیٹے کو ایسا مشورہ دے سکتی ہے۔ میرے لیے یہ بات بہت تکلیف دے تھی۔

میں کیا کرتی بس خاموش ہو گئی۔

اگلے دن بھی ممی کے رویے میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ میں عاقف سے دور ہونا نہیں چاہتی تھی اس لیے ممی کو منانا اب میرا مشن بن گیا تھا۔ میں نے کچن بھی سنبھالا تھا اور باقی گھر کے سب کام بھی مگر ممی اس سب سے اور ناراض ہو گئیں تھیں۔ ان کا رویہ پہلے اگر بہت اچھا نہیں تھا تو اتنا برا بھی نہیں تھا۔

"ممی چائے۔" میں شام کی چائے بنا کران کے کمرے میں لے گئی تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔ جسے اس سب کی کی قصوروار میں ہی ہوں۔ مگر میں نے ہمت نہیں ہار۔

"ممی آج کھانا کیسا بنا تھا۔ میں نے بنایا تھا۔" وہ اب بھی خاموش رہیں تھیں۔

"اگر کوئی کمی تھی تو ان شاءاللہ میں کل سے وہ بھی دور کر دوں گی۔ یہ چائے بھی میں نے بنائی ہے۔ آپ پی کر بتائیں۔" میں نے کپ ان کے سامنے کیا۔

"بس کر دو بی جان چھوڑ دو ہماری۔" وہ یک دم چلائیں کپ میرے ہاتھ میں لرز گیا۔ مجھے اتنی اونچی آواز سننے کی عادت کہاں تھی۔ میں نے گھبرا کران کی طرف دیکھا۔

"بند کرو اپنا یہ ڈرامہ یہ گھر کے چھوٹے موٹے کام کر کے تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو بولو کہ تم نے بہت بڑا مار کہ سر کر لیا ہے۔ ہاں بھئی تمہارے لیے تو یہ مار کہ ہی ہو گا ناں جو کام کبھی کیا ہی ناں ہو۔ اس کو کر لینا مار کہ ہوا ناں تم لوگ کیا سمجھے میرے بیٹے کو پھنسا کر مجھ سے دور کر دو گے۔ ایسا تم صرف سوچ سکتی ہو کر نہیں سکتی۔ وہ میرا بیٹا ہے وہی کرے گا جو میں کہوں گی۔" وہ بہت غصے میں چلا رہیں تھیں۔ "تم نے اسے پھنسایا اس سے جھوٹ بلوایا شاید پہلے مجھے اس بات پہ اعتراض نہ ہو تا مگر اب تمہاری وجہ سے تمہارے کہنے پر اس نے مجھ سے پہلی بار جھوٹ بولا دھوکہ دیا ہمیں۔ ورتم کیا سمجھتی ہو کہ تم کامیاب ہو جاؤ گی بھول ہے تمہاری ایسا ہو ہی نہیں سکتا میں تمہیں اپنی نسلیں تباہ نہیں کرنے دوں گی سمجھی تم۔ نہ دین کا پتہ نہ دنیا کا عیسائیوں میں پرورش پانے والی نام نہاد مسلمان۔" اس سے زیادہ سننا میرے بس میں نہیں رہا تھا۔

"بس آنٹی یہ سارے الزامات بے بنیاد ہیں۔ جھوٹ میں نے نہیں عاقف نے بولا اور میں انجان تھی اس سب سے میرا یقین کریں" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"دیکھ لی تمہاری وفا ایک جھوٹ بھی تم اپنے شوہر کا نہ سنبھال سکی اسی کے سر تھوپ دیا۔" وہ حقارت سے بولیں۔

"اور پلیز آپ کیسے فیصلہ کر سکتیں ہیں کہ میں کیسی مسلمان ہوں۔" میں نے پھر سے ان کو اپنی صفائی دینا ضروری سمجھا۔

"بس بی بی نظر آ رہا ہے کہ کتنی اچھی مسلمان ہو اور ہاں بہتر ہو گا تم عاقف کو چھوڑ کر چلی جاؤ۔ ورنہ شاید تمہیں اور بہت کچھ سہنا پڑے۔ میں ویسے بھی عاقف کی دوسری شادی کے بارے میں سوچ رہی ہوں جہاں اس کی پہلے منگنی ہوئی تھی۔ وہ مجھے انکار نہیں کرے گا۔" وہ کہہ کر چلیں گئیں تھیں۔ میں آپنے آنسو اپنی آنکھوں میں لیے وہیں مجسمہ بنی کھڑی رہی۔

عاقف کی منگنی بھی ہوئی تھی۔ یہ بات تو میں پہلی بار سن رہی تھی۔ اور دوسری شادی کیا عاقف سچ میں دوسری شادی کر لے گا۔ اور مجھے چھوڑ دے گا۔ میں وہیں فرش پہ بیٹھ کر رونے لگی تھی۔ آسمان تو سر پہ آ گرا تھا۔ میں واپس اپنے کمرے میں آ گئی مگر نجانے کیوں آنسو تو

تھم ہی نہیں رہے تھے۔ مما کی مسلسل کال آ رہی تھی۔ میں نے نمبر بند کر دیا۔ مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی تھی۔ عاقف آفس سے واپس آیا تو مجھے دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔

"افصی کیا ہوا آنکھیں دیکھو اپنی کتنی سرخ ہو رہیں ہے رو رہی ہو پر کیوں۔" وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے پریشانی سے بولا۔

"تم نے مجھے چیٹ کیا تم نے مجھ سے بھی جھوٹ بولا مجھ سے سب چھپایا۔" میرے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی تھی۔

"ہوا کیا ہے بتاؤ یار اور کیا جھوٹ بولا میں نے کیا چھپایا۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری منگنی ہوئی تھی پہلے تم نے بتایا کیوں نہیں۔" میں غصے سے بولی۔ عاقف نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"پرابلم یہ نہیں کہ مجھے کس بے بتایا پرابلم یہ ہے کہ تم نے کیوں چھپایا۔" میں شدید صدمے کے زیر اثر تھی۔

"یار کوئی منگنی نہیں تھی بس بات ہوئی تھی۔ میں نے امریکہ جانے سے پہلے ہی انکار کر دیا تھا۔ اور بات وہیں ختم ہو گئی تھی۔" عاقف نے بات ہوا میں اڑائی۔

"تو ٹھیک ہے خوش ہو جاؤ کہ بات وہیں ختم نہیں ہوئی تھی۔ اور تیار ہو جاؤ تمہاری وہاں شادی ہونے والی ہے۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"واٹ۔۔؟" وہ اچھل پڑا۔

"کیا بول رہی ہو ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ایسا ہی ہو گا تم مجھے چھوڑ دو گے۔" میں نے روہانسے لہجے میں کہا۔

"تم پوری بات بتاؤ گی۔" وہ زچ ہوا

مجبوراً مجھے اپنی اور ممی کی ساری باتیں اسے بتانی پڑیں۔

"یہ کیسے ممکن ہے میں کبھی وہاں شادی نہیں کروں گا اور تمہیں چھوڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" عاقف کافی غصے میں آ گیا تھا

"تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم کیا کر لو گے۔" اب میں بھی پریشان تھی۔

"اب سمجھ میں آ رہا ہے مجھے سب۔" وہ سر کو زور زور سے اوپر نیچے ہلاتے ہوئے بولا۔

"کیا؟" میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کچھ نہیں تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ کہتے ہوئے واش روم میں چلا گیا۔

اگلا پورا دن میں اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں آئی شام کے وقت کچھ گیسٹ آئے تھے۔ مگر میں باہر نہیں گئی مجھے جانا چاہیے تھا۔ مگر ممی کے ہاتھوں میرا بے عزتی کروانے کا بالکل موڈ نہیں تھا۔ عاقف کی غیر موجودگی مجھے اس گھر میں اور بھی اجنبیت محسوس ہوتی جیسے ایک بھیڑ میں ایک بچہ اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہو۔ اب اگے کیا ہو گا اتنی بڑی بات تھی تو نہیں جس کا ممی نے اتنا بڑا ابتنگڑ بنا لیا تھا۔

میں انہی سوچوں میں گم تھی جب پورچ میں عاقف کی گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ میں نے چونک کر ٹائم دیکھا۔ آج عاقف بہت جلدی آ گیا تھا۔ میں نے کھڑی سے باہر دیکھا وہ وہیں مہمانوں کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ وہ اٹھنے لگا تھا۔ جب ممی نے اسے وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا وہ وہیں بیٹھ گیا۔ میں کھڑکی میں ہی کھڑی رہی۔ میرے بیڈ روم سے لاؤنج صاف نظر آتا تھا۔

وہاں پر دو ہی لوگ تھے ایک مرد ایک عورت ان کو پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ ان میں سے عورت نے اپنے پرس سے کچھ نکالا تھا۔ میں نے تجسس سے دیکھنا شروع کیا۔ اس نے پرس سے کوئی ڈبیا نکالی تھی اور اس میں سے کوئی رنگ ٹائپ چیز نکال کر عاقف کے قریب ہوئی تھی۔ میری طرح عاقف کو بھی یہ ساری کاروائی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ عورت نے وہ رنگ مسکراتے ہوئے عاقف کی انگلی میں ڈالنی چاہی۔ اس نے انکار کیا تو ممی کی ایک گھوری پہ اسے وہ رنگ چپ چاپ پہن لی۔ مجھے چھت اپنے سر پہ گرتی محسوس ہوئی عاقف کی منگنی کی رسم ہوئی تھی اسے بنا بتائے میری آنکھوں کے سامنے۔ میں وہیں قریب رکھی چیئر پہ ڈھے گئی۔ کچھ دیر بعد عاقف کمرے میں آیا۔ اور بریف کیس کو زور سے بیڈ پہ اچھالا۔

"منگنی کی بہت بہت مبارک ہو۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ لہجہ طنزیہ تھا۔

"تم جانتی ہو نہ میں بے خبر تھا۔"

"ہاں تمہاری ساری بے خبریوں کا اندازہ ہے مجھے۔" میں نے جلے ہوئے انداز میں کہا۔

"کم آن افصی میں نہیں جانتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے اور اوپر سے ممی۔" اس نے اپنی صفائی دینا چاہی۔

"بس عاقف بہت بے وقوف بنا لیا تم نے مجھے۔ تم انہیں صاف انکار کر سکتے تھے پر تم نے نہیں کیا۔" میں چلائی۔

"افصی ممی۔۔۔۔۔۔"

"بس تم کوئی چھوٹے بچے ہو کہ ممی کی ایک گھوری سے ڈر کو منگنی کر لو۔" میں نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

ا"ور میں نہیں مانتی تمہاری اس نام نہاد منگنی کو اگر تم نے انکار نہیں کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" میں نے اس کے ہاتھ میں پہنا ہوا رنگ نوچ پھینکا۔ میں عاقف کی ایک انگلی بھی وقتی طور پر کسی کے ساتھ شیر نہیں کر سکتی۔

"اچھا میں انکار کر دوں گا تم غصہ مت کرو،" اس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"جب انکار کرو تب مجھ سے بات کرنا۔" میں نے اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلا پورا دن میں عاقف کا نمبر ٹرائے کرتی رہی مگر وہ بند تھا۔ آفس فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ گئے ہیں۔ البتہ انہیں لڑکی کا نام معلوم نہیں تھا۔ میں نے عاقف کی سیکرٹری کو اس لڑکی کا نام۔ معلوم کرنے کا کہا اور یہ بھی کہ اگر وہ دوبارہ آئے تو مجھے انفارم کرنا۔

عاقف رات کو گھر آیا تو اسکا موڈ کافی فریش تھا۔

"تم انکار کیوں نہیں کر رہے ممی کو۔" کھانا کھانے کے بعد میں نے پھر وہی بات شروع کر دی تھی۔

"یار کیوں پیچھے پڑ گئی ہو کر دوں گا انکار۔" وہ ایک دم غصے سے بولا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کب کرو گے انکار ایک ہفتے سے اوپر ہو گیا ہے تم مسلسل مجھے ٹال رہے ہو۔" میں نے غصے سے کہا۔

"تم کچھ دنوں کے لیے امریکہ چلی جاؤ یہاں کا ماحول ٹھیک نہیں ہے آج کل میں یہاں سب ٹھیک کر کے تمہیں بلا لوں گا۔ عاقف نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم چاہتے ہو میں میدان خالی چھوڑ کر چلی جاؤں۔" میں نے اسے گھورا

"ایسی بات نہیں ہے۔" اس نے صفائی دی

"اور ہاں کون تھی وہ لڑکی جس کے ساتھ تم سارا دن غائب رہے ہو آفس سے ۔" مجھے اچانک یاد آیا تھا۔

"کون لڑکی ؟" عاقف اچانک اس سوال پر گھبرا گیا تھا۔

"کوئی لڑکی نہیں تم چھوڑو بس ممی کو انکار کرو۔" میں نے خود ہی اس بات کو ختم کر دیا تھا۔

اگلے کچھ دن بھی اسی طرح گزر گئے تھے میں کہتی رہی اور وہ ٹالتا رہا۔ اب اچانک اس کا فون بند ہونے لگا تھا۔ میں نے اسے کال کیا۔

"ہائے عاقف کہاں ہو؟ میں نے اسکے کال پک کرتے ہی پوچھا تھا۔

"آفس میں ہوں اور کہاں ہونا ہے مجھے۔" اسکا انداز کافی مصروف سا تھا۔

"کال کی ہے کیا کام ہے۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"کیوں میں بنا کام کہ تمہیں فون نہیں کر سکتی کیا۔" میں نے ناراضگی سے کہا۔

"نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔"

پھر کیا مطلب تھا تمہارا۔ پتہ نہیں مجھے کیوں لگ رہا تھا کہ وہ گاڑی میں ہے۔

"اچھا آج ہم ڈنر پہ چلیں گے۔" میں نے وہ بات کہی جس کے لیے میں نے فون کیا تھا۔ مجھے پیچھے کسی لڑکی کی ہنسی کی آواز آ رہی تھی۔ میں اس وقت لان میں بیٹھی تھی۔ میں نے پوچھا نہیں کہ کون ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا کہ جلدی آ جاؤں۔" اس نے مصروف سے انداز میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ نجانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔

عاقف اس وقت ژالے کے ساتھ ہے اور وہ دونوں شادی کی شاپنگ کر رہے ہیں وہ ڈنر پہ نہیں لے جا پائے گا تمہیں یہ ممی کی آواز تھی۔ میں نے حیرت سے انکی طرف دیکھا۔

"نہیں یقین تو خود پتہ کر لو۔" وہ کہہ کر چلیں گئیں تھیں۔

میں نے فوراً عاقف کے آفس فون کیا تھا۔ ممی ٹھیک کہہ رہیں تھیں وہ آفس میں نہیں تھا اور کسی ژالے نامی لڑکی کے ساتھ باہر گیا تھا۔

میں یہ سن کر ہی پریشان ہو گئی تھی عاقف نے مجھ سے جھوٹ بولا کیا وہ مجھے چیٹ کر رہا تھا۔

میں نے فوراً عاقف کو فون کیا تھا۔

"تم اس وقت ژالے کے ساتھ ہو کیا۔" میں نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

"میری بات سنو اصفی۔" عاقف نے کچھ کہنا چاہا۔

"عاقف مجھے جواب چاہیے۔ ہاں یا ناں۔" میں شدید غصے میں تھی۔

"ہاں مگر۔" اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں نے کال بند کر دی تھی۔ اس کی مسلسل کالز آ رہیں تھیں میں نے نمبر بند کر دیا۔ اس دن پہلی بار میں نے عاقف کو چھوڑنے کے بارے میں سوچا تھا۔ میں کباب میں ہڈی تھی اس لیے مجھے اسے چھوڑ کر چلے جانا چاہیے۔ میں نے وہیں بیٹھے اپنا نمبر آن کیا اور امریکہ کے لیے اگلی فلائٹ کی ٹکٹ بک کروائی جو کل شام کو جانے والی تھی۔ میں کال کر کے وہاں سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی اور خفیہ طور پہ اپنی پیکنگ شروع کر دی میں نہیں چاہتی تھی کہ عاقف مجھے روکے میں نہیں رکنا چاہتی تھی۔

ہاں یہ میرے لیے بہت تکلیف دے تھا مگر اس سے بھی زیادہ تکلیف یہ تھی کہ عاقف مجھے چیٹ کر رہا ہے۔ میں اس سے دوری سہہ سکتی تھی بے وفائی نہیں۔ وہیں بیٹھ کر میں نے اسے ایک خط لکھا تھا۔

میرے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔۔۔۔

"آئی ایم سوری عاقف میں ہر حالات میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار تھی مگر تم مجھے دھوکہ دو اور مجھ سے وفاداری اور ساتھ کی امید رکھو یہ غلط ہے۔ میں اب مزید تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی اب پل پل تمہیں کھو دینے کا خوف لے کر میں نہیں جی سکتی اس سے پہلے کہ تمہیں مجھ سے کوئی چھین لے یا تمہاری بے وفائی تمہیں مجھ سے دور کرے میں جو تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہو تمہیں تمہاری زندگی اور خوشیاں مبارک ہوں۔ جاؤ میں نے تمہیں آزاد کیا۔ اور اگر مجھے آزادی چاہیے ہوئی تو میں خود تم سے رابطہ کر لوں گی۔ کچھ دن تمہارے ساتھ نہ سہی تمہارے نام کہ ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔

"تم منزل تھے

میں راستہ تھی

راستہ تم نے بدلا ہے

منزل میری کھو گئی ہے"

(شاعرہ:زریش مصطفیٰ)

اللہ کی امان میں!!

فقط تمہاری افصی عاقف۔۔۔۔"

میں نے وہ خط لکھ کر الماری میں رکھ دیا تھا۔

اور خود کو نارمل کر کے عاقف کے آنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ وہ جب گھر آیا تو کافی شرمندہ تھا۔ مجھ سے بار بار اپنے جھوٹ کی معافی مانگ رہا تھا۔ مگر میں بالکل خاموش تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے ٹشو پیپر کی طرح یوز کر کے پھینک دیا گیا ہے۔

"افصی آئی ایم سوری میں تمہاری ناراضگی سے ڈر گیا تھا۔" وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے مجھے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں عاقف مجھے نیند آرہی ہے میں سونا چاہتی ہوں۔" میں اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے آزاد کروا کر سونے لیٹ گئی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے اپنے بستر پہ چلا گیا۔

صبح اس کے آفس جانے کے بعد میں نے اپنی باقی ماندہ پیکنگ کی تھی اور ٹائم سے پہلے ہی ایئرپورٹ چلی گئی تھی۔ میں وہ لیٹر اسکی سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔ اگر مل جاتا تو بھی ٹھیک ورنہ سمجھ تو وہ جاتا ہی۔

ممی نے مجھے گھر سے نکلتے دیکھا تھا سمجھ تو وہ بھی گئیں ہوں گی مگر نہ انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا نہ جانے سے روکا۔ اس گھر سے نکلتے ہی اس گھر کی یاد مجھے شدت سے آنے لگی تھی۔ میں اپنی شادی کے آٹھ ماہ گزارے تھے وہاں۔ میں اس بات سے بھی پریشان تھی کہ مما مجھے طعنے دینے سے نہیں رُکے گیں۔ ان سے کچھ بھی چھپانا ناممکن تھا۔ میرا چہرہ میری آنکھیں چیخ چیخ کے عاقف کی بے وفائی کی گواہی دے رہے تھے۔ بورڈنگ ہو چکی تھی۔ میں اپنا سامان لے کر آگے بڑھ گئی تھی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے کوئی پکار رہا ہے۔ میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی جو پیچھے مڑ کے دیکھتے ہیں وہ پتھر کے ہو جاتے ہیں۔ آواز اب بہت قریب سے آنے لگی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھ لیا تھا۔ میں بھی پتھر کی ہو گئی تھی۔ سامنے عاقف کھڑا تھا۔ وہ مجھے رکنے کے لیے کہہ رہا تھا مگر میں نہیں رکنا چاہتی تھی۔ ہمارے درمیان ایک دیوار حائل ہو چکی تھی۔ ایک وہ جو ابھی ہم دونوں کو نظر آرہی تھی اور ایک وہ جو ہم دونوں کو فی الحال دیکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں ایک نظر اسے دیکھ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

روکتے انہیں ہیں جو رُکنا چاہتے ہوں۔ میں پورا راستہ روتے ہوئے خود کو تسلیاں دیتی رہی تھی۔ زندگی عاقف پہ ختم نہیں ہوتی اور بھی بہت کچھ ہے زندگی میں کرنے کے لیے۔ مگر میری تو زندگی ہی وہ تھا۔ یہ دلاسے میرے کس کام کے۔

مما مجھے اچانک دیکھ کر کافی حیران ہوئیں تھیں۔ میری آنکھیں انہیں اتنا تو سمجھا گئیں تھیں کہ میں ان سے ملنے تو نہیں آئی تھی۔ ممی نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں اتنے لمبے سفر سے کافی تھک گئی تھی اس لیے میں اپنے کمرے میں آرام کرنے چلی گئی تھی۔ اور روتے روتے کب سو گئی پتہ ہی نہیں چلا۔ سو کر اٹھی تو بھی مجھے کوئی خاص بہتر محسوس نہیں ہوا۔ اپنا گھر اپنا شوہر سب کچھ چھوڑ دینا اتنا آسان نہیں ہوتا اور وہ شوہر جس سے آپ نے ٹوٹ کے محبت کی ہو۔

رات کو ڈنر پر میری ملاقات پاپا اور دادو سے ہوئی تھی۔ دادو اور پاپا بھی کافی پریشان تھے۔

میں نہ تو ان سے جھوٹ بولنا چاہتی تھی نہ کچھ چھپانا چاہتی تھی اس لیے کھانے کے فوراً بعد میں نے سب کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

"عاقف ایسا تو نہ تھا۔" دادو سب سے زیادہ ہرٹ ہوئیں تھیں۔

"وہ شروع سے ایسا ہی تھا بس اسی کی آنکھوں پر محبت کی پٹی بندھی تھی اچھا ہوا جلدی کھل گئی۔" ممی سے جو امید تھی انہوں نے وہی کہا۔

"بیٹا تم صبر سے کام لیتیں تمہیں گھر چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔" پاپا نے پریشانی سے کہا۔

"پاپا مجھ سے وہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ میں کیسے خاموش رہتی۔" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"بیٹا میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم کمزور لڑکی نہیں ہو تمہیں اپنے حق کے لیے لڑنا چاہیے تھا۔ اور تم میدان چھوڑ کر بھاگ آئیں۔" انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"محبت میں جنگ کہاں ہوتی ہے پاپا اور یہ صرف تب آپ کو طاقتور بناتی ہے جب سامنے والا آپ کے ساتھ ہو ورنہ یہ تو آپ کو اتنا کمزور کر دیتی ہے کہ آپ کا جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ محبت میں بس ایک ہی شرط ہوتی ہے وفا کی جو وہ کر گیا سمجھو جیت گیا۔" میں اپنی بات کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

عاقف کے بہت سے فون آ رہے تھے۔ ای میل میسج کال مگر میں کسی جگہ بھی ریپلائے نہیں کر رہی تھی۔ تنگ آ کر میں نے موبائل آف کر دیا تھا۔ آج مجھے یہاں آئے ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ میرا زیادہ وقت دادو کے ساتھ ہی گزرتا تھا میں نے اپنے کسی دوست کو یہاں آنے کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ نہ ہی میں گھر سے باہر گئی تھی۔

دادو مجھے دیکھ دیکھ کر پریشان ہوتیں ان کے وظیفے بڑھ گئے تھے مجھے دم کر کر کے نجانے کیا کیا کھلاتیں پلاتیں۔ ابھی بھی وہ مجھے دم کر رہیں تھیں جب مما نے مجھے اشارے سے باہر بلایا تھا۔ میں دادو سے دم کروا کر باہر آ گئی تھی۔ مما چائے پہ میرا انتظار کر رہیں تھیں۔

میں خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتیں ہیں۔

"آپ کچھ کہنا چاہتیں ہیں۔" میں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے ان کی مشکل آسان کی۔

ہاں وہ میں نے وکیل کو بلاوایا ہے۔ وہ فوراً مدعے پہ آئیں۔

پر کیوں؟ میں نے حیرت سے مما کی طرف دیکھا۔

"عاقف کو خلع کانوٹس بھجوانے کے لیے۔"انہوں نے اسی طرح لاپرواہی سے کہا۔
"آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے اور اتنا بڑا فیصلہ کر لیا وہ بھی مجھ سے پوچھے بغیر۔"میں شدید صدمے سے بولیمیں ناراض ہو کر آ تو گئی تھی پر مما کی بات نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا اتنی جلدی اتنا بڑا فیصلہ میں ابھی اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ کہیں نہ کہیں مجھے عاقف کے لوٹ آنے کا انتظار تھا۔اور یقین بھی کہ وہ لوٹ آئے گا۔ مگر اتنا بڑا فیصلہ وہ بھی اس قدر جلدی۔
میں غصے سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔اور پھر کمرہ بند کر کے خوب روئی تھی۔رونا تو جسے لکھ دیا گیا تھا میری زندگی میں۔میں کال نہیں لے رہی تھی تو کیا ہوا۔اگر وہ چاہتا تو وہ یہاں آ جاتا میں کیا انکار کرتی جانے سے۔میں دو دن مما سے اس بات پہ ناراض رہی تھی کہ انہوں نے ایسا سوچا بھی کیسے۔مگر پھر ان کے منانے پر مان گئی تھی۔عاقف سے ہنوز میرا کوئی رابطہ نہیں تھا۔اس کے میسجز آتے تھے۔اب بھی میں دادو کے پاس بیٹھی ان سے میرا عجیب رشتہ تھا ان دنوں مجھے شدت سے محسوس ہوتا کہ کاش مجھے دادو کی اور دادو کو میری زبان آتی ہوتی۔ہم باتیں کرتے وہ دکھ جو میں کسی سے نہ کہہ پائی ان سے کہہ پاتی۔میں اور دادو نا جانے کیا بات کر رہے تھے۔اب مجھے کچھ کچھ اردو سمجھ میں آ جاتی تھی اور دادو کچھ انگلش بولنا سیکھ گئیں تھیں۔آخر کو پچیس سال ہو گئے تھے انہیں اب کچھ رک رک کر وہ اپنا جملہ مکمل کر لیا کرتیں تھیں یہ بات بھی مجھے اب پتہ چلی تھی کیوں کہ پہلے تو میرے پاس انہیں دینے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا تھا، تبھی اچانک میری موبائل کی میسج ٹیون بجی تھی عاقف کا میسج تھا۔
جُدائی تاک میں بیٹھی ہوئی تھی!

محبت کر رہے تھے مشوروں سے

تُجھے میں نے مُجھے تُو نے گنوایا

مگر اب فائدہ ان تذکروں سے!

(شاعر عارف اشتیاق)

اسکا میسج پڑھ کے میرا موڈ خاصا آف ہو گیا تھا۔
"کس کا میسج تھا۔"دادو پیار سے میرے بال سہلاتے ہوئے بولیں۔میں اس وقت ان کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔
"کسی کا نہیں۔"میں نے بات کو ٹالنا چاہا۔
"عاقف کا ہو گا۔"انہوں نے خود ہی اندازہ لگا لیا تھا۔میں خاموش رہی۔
"بیٹا معاف کر دو اسے غلطی انسانوں سے ہوتی ہے۔"دادو نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔
"دادو اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے بے وقوف بنایا ہے۔"میں نے دکھ سے کہا۔
"مرد ایسی حرکتیں کرتے ہیں عورت کو چاہیے کہ ہمت سے کام لے۔"دادو نے پھر سے مجھے سمجھایا۔

"یہ پرانی باتیں ہیں دادو اب عورت ہمت سے کام نہیں لیتی سیدھی طلاق لیتی ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔ دادو دھیرے سے مسکرا دیں ۔

"جیسے تم لے لو گی۔"

"نہیں میں نے یہ کب کہا۔" میں فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔

"بیٹا اپنے حق کے لیے لڑنا سیکھو یوں سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاؤ گی تو لاوارث چیز پہ کوئی بھی قبضہ کر لے گا۔" دادو پریشانی سے گویا ہوئیں۔

"دادو دوسری شادی اسکا بھی تو حق ہے اور یہ حق اسے اسلام نے دیا ہے میں کیسے روک سکتی ہوں۔" میں سر جھکائے بولی۔

"کیوں نہیں روک سکتیں وہ محبت کرتا ہے تم سے۔"

"وہ محبت کرتا تھا مجھ سے اب نہیں کرتا۔" میں نے ان کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔

"تم اس بات کا فیصلہ کیسے کر سکتی ہو کہ وہ اب محبت نہیں کرتا تم سے وہ سب ایک غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔" دادو آج ٹھان کہ بیٹھیں تھیں کہ مجھے سمجھا کہ دم لیں گئیں۔

"ٹھیک ہے آپ نے اگر یہ ہی باتیں کرنی ہیں تو میں جا رہی ہوں۔" میں دادو کی آوازوں کو نظر انداز کرتی باہر آ گئی تھی۔ جہاں میرا ٹاکرا سیدھا مما سے ہوا تھا۔

"افصی بات کرنی ہے تم سے میرے کمرے میں آؤ۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں تھیں۔ میں بھی ان کے پیچھے چل دی۔

"میں آج تم سے تمہارا فیصلہ چاہتی ہوں۔ تم خلع کا نوٹس بھیجو گی کہ ساری زندگی اسی کے نام پہ بیٹھی رہو گی۔" ان کا انداز کافی عجیب تھا۔

"مما ہو کیا گیا ہے آپ کو ایک بات کے پیچھے کیوں پڑ گئیں ہیں کچھ وقت دیں ہو سکتا ہے ہماری صلح ہو جائے۔" میں زچ ہو گئی تھی مما کی ان باتوں سے۔

"یہ میں نہیں چاہتی اس نے تمہاری قدر نہیں کی تم بھی اس کی پرواہ مت کرو۔ ویسے بھی ابھی کچھ نہیں بگڑا۔" مما اسی طرح سفاکی سے بولیں۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے۔" میں فی الحال اس بات کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

"ایک مہینہ ہونے کو آیا ہے ابھی بھی تمہیں اور وقت چاہیے۔" وہ غصے سے بولیں۔

"یعنی اب میرے دن گنے جا رہے ہیں میں بوجھ بن گئی ہوں آپ کے لیے۔" مجھے مما کی بات نے بہت ہرٹ کیا تھا۔

"تم کیوں بوجھ ہونے لگی ہم پر۔ بلکہ میں تو شکر کر رہی ہوں کہ طلاق آرام سے ہو جائے گی کوئی مسئلہ نہیں کوئی بچہ وغیرہ ہو جاتا تو اسکی بھی زندگی برباد ہو جاتی۔" مجھے مما کی باتیں سوائے دکھ کے اور کچھ نہیں دے رہیں تھیں۔ ماں ہو کر میرا دکھ نہیں سمجھ رہیں تھیں

۔میں اپنے آنسو ضبط کرتی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔اور رونے لگی تھی یہ زندگی کس رخ پہ چلنے لگی تھی میری نظر موبائل پہ پڑی تھی۔ آج کے دن مجھے عاقف نے پرپوز کیا تھا۔ آج ایک سال ہو گیا۔ یہ سوچ کر میں اور شدت سے رو دی۔اب میرے پاس سوائے یادوں کے بچا کیا تھا۔وہ چاہتا تو ایک بار لینے آ جاتا مناتے تو آتا ایسا بھی کیا ہو گیا کہ اسکی محبت بھاپ کی طرح اڑ گئی۔ کہ وہ مجھے منا بھی نہیں پا رہا ناراض ہی ہوئی ہوں نہ اب اگر جدائی وہ خود ہم دونوں کے مقدر کا حصہ بنا رہا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔۔

مجھے وہ رات آج بھی یاد تھی۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھی نوٹس بنانے میں مصروف تھی۔ کیونکہ کچھ دنوں میں ایگزیمز شروع ہونے والے تھے۔ابھی تو میرا کام آدھا بھی نہیں ہوا تھا جب عاقف کی مجھے کال آ گئی تھی۔

"ہاں بولو کوئی کام ہے کیا۔"اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

"ہاں وہ تم سے ایک ضروری کام تھا۔"وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولا۔

"ہاں بولو کیا کام ہے۔"میں نے مصروف سے انداز میں کہا۔

"کیا تم مجھ سے ملنے باہر آ سکتی ہو۔"وہ لجاجت سے بولا۔

"اس وقت؟"میں نے ایک نظر بکھرے ہوئے نوٹس کو دیکھا اور دوسری نظر گھڑی پہ ڈالی۔

"ہاں ابھی اتنی دیر تو نہیں ہوئی۔"وہ حیرت سے بولا۔

"ہاں مگر مجھے کچھ ضروری کام تھا۔"میں انکار نہیں کرنا چاہتی تھی مگر میں جا بھی نہیں سکتی تھی۔

"مجھے بھی ضروری کام ہے اچھا سا تیار ہو کر آنا تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔ میں تمہارے گھر کے باہر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"عاقف نے کہہ کر کال بند کر دی تھی۔ میں عجیب کشمکش میں گھری تیار ہونے چل دی۔

مجھے کیا پتہ کہ اس نے مجھے کس سے ملوانا تھا اور میں کیا پہنوں بس ایک اچھا سا سمپل سا جینز شرٹ پہن کر میں چل دی اوپر ہوڈی پہن لی باہر کافی ٹھنڈ تھی۔ میں کافی پریشان بھی تھی کہ آج سے پہلے تو عاقف اس طرح مجھے کبھی اپنے ساتھ لے کر نہیں گیا۔

"ہاں بولو کیا کام ہے اور کس سے ملوانا ہے تم نے مجھے۔"میں نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔

"بی بی بڑی بے صبری ہو کچھ صبر کرو بتا دوں گا۔"وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"نہیں ابھی بتاؤ ورنہ میں یہیں سے واپس چلی جاؤں گی۔"میں بضد تھی۔

"کیوں چلتی گاڑی سے کود جاؤ گی"۔وہ زور سے ہنسا۔

"ہاں کود جاؤں گی مگر پوچھ کے دم لوں گی۔"میں برا مانتے ہوئے بولی۔

"پھر سرپرائز تو نہ رہا نہ۔"وہ نہیں بتانا چاہتا تھا نہ ہی بتا رہا تھا۔

"مجھے نہیں چاہیے سرپرائز تم ابھی بتاؤ۔"میں پھر سے اسکے سر ہوئی۔

"اپنی ہونے والی بیوی سے۔" اسکے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔
میرے دل کی دھڑکن کچھ پلوں کے لیے رک سی گئی تھی۔ چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا۔ خواب کتنی جلدی کرچی کرچی ہو گئے تھے۔
"کون ہے وہ؟" مجھے میری آواز کی لغزش صاف محسوس ہو رہی تھی میں نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"اب یہ تو راز رہنے دو بس پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے تو پتہ چل جائے گا۔" وہ یوں ہی لاپرواہی سے بولا۔
"تم مجھے کیوں ساتھ لائے ہو۔" میں نے ایک اور سوال کیا۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں چٹکی بجا کر خود کو وہاں سے غائب کر دیتی۔ بھلا میرا وہاں کیا کام۔ مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔
"ارے میرا تم سے زیادہ اچھا کوئی دوست ہے نہیں یہاں پر اور فیملی بھی پاکستان ہے ایسے میں رشتے کی بات تم سے ہی کروں گا اور تم اس سے۔" وہ مزے سے بولا۔ میں نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ میں محبت کرتی تھی اس سے لازمی تو نہیں کہ وہ بھی کرتا۔
"ویسے کیا نام ہے اس کا؟" گاڑی جب ایک ہوٹل کے سامنے رکی تو میں نے یونہی پوچھ لیا حالانکہ میں پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔
"اب یہ تو اندر جا کر ہی پتہ چلے گا۔" وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولا۔ میں بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔ ہوٹل کی ڈیکوریشن دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بے شمار لائٹس سے سجا وہ حال اور اس کے بیچ ایک خوبصورت سا میز جیسے سرخ پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ درمیان کی جگہ فی الحال خالی تھی۔ پورا حال پھولوں اور غباروں سے سجا تھا۔ بے شک وہ لڑکی بہت خوش قسمت تھی جس کے لیے یہ سب کیا گیا تھا۔
"وہ تو کہیں نظر نہیں آرہی۔" میں نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔
"مگر مجھے تو نظر آرہی ہے۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے میرے قریب ہوا۔
"مگر مجھے تو کہیں دیکھائی نہیں دے رہی۔" میں نے ایک بار پھر اطراف میں نظر دوڑائی۔
"وہ دیکھو۔" اس نے مجھے کندھے سے پکڑ ا سامنے کی طرف موڑا۔ جہاں وال مرر میں ہم دونوں دیکھائی دے رہے تھے۔
"یہ کیا مذاق ہے؟" میں اس مذاق پہ برا مان گئی تھی۔ اچانک اندھیرا ہوا تھا۔ میں گھبرا گئی تھی یہ ہو کیا رہا ہے۔
"ویل یو میری می۔۔۔" عاقف کی آواز گونجی تھی۔
پورا ہال پھر سے سرخ و سفید روشنی میں نہا گیا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ جھکا اپنا ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں ہو رہا تھا۔ میں تو گویا پتھر کی ہو گئی تھی۔ جو سوچا بھی نہ تھا وہ ہو گیا تھا۔

میں نے اسکا ہاتھ تھام کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ وہ مجھے لیکر ٹیبل تک گیا۔ جہاں ہم نے لائٹ رومینٹک میوزک میں کیک کاٹا اور پھر عاقف نے ایک خوبصورت رنگ میرے ہاتھ میں پہنا دی۔

"تم خوش تو ہوناں۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہیں کیا لگ رہا ہے۔" میں دھیرے سے مسکرائی۔

"بہت زیادہ خوش۔" وہ شوخی سے بولا۔

"جی نہیں میں تو بالکل بھی خوش نہیں ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا تو پرپوزل ایکسیپٹ کیوں کیا۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"بس یوں ہی تم پہ ترس آ گیا تھا۔" میں نے صاف ہری جھنڈی دیکھائی۔

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں اتنی تم مدر ٹریسا۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ اور پھر ہم دونوں کھل کھلا کر ہنس دیئے۔ یہ خوبصورت یاد مجھے تحفے میں بہت سے آنسو دے گئی تھی۔ کیا اسے آج کا دن یاد نہیں تھا۔ وہ تو کہتا تھا کہ یہ دن اسکی زندگی کا یادگار دن تھا ایسے کیسے بھول گیا وہ۔۔۔۔

رات بھر میں روتی رہی تھی۔ تاریخ بدل گئی تھی۔ اور میرا دل بھی۔ میں اگلی صبح اٹھی تو وہ کوئی اور ہی افصی تھی۔ مجھے یہاں آئے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا اور اس نے مجھے منانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ صبح اٹھتے ہوئے میری طبعیت عجیب بوجھل سی تھی۔ یہ تو کافی دنوں سے تھا نہ کچھ کھانے کا دل چاہتا نہ کسی سے بات کرنے کا بس دل کرتا ہر وقت سوئی رہوں۔۔۔ ناشتہ کرنے کا بھی دل نہیں کیا خالی چائے کا پیا تھا کہ ابکائیاں آنے لگی۔

میری تھوڑی سی طبعیت ٹھیک ہوئی اور میں ممی کے پاس پہنچ گئی۔

"ممی آپ وکیل کو بلوا لیں اور عاقف کو نوٹس بھیج دیں میں سائن کر دوں گی۔" دکھے دل اور کرچی کرچی ہوتے خواب یہ الفاظ ادا کرنا ایسے تھا جیسے خود کو پھانسی کی سزا سنانا۔ میں نے بھی خود کو پھانسی کی سزا سنا دی تھی۔ بس تختہ دار پہ لٹکنا باقی تھا۔ شام کو کاغذات پہ دستخط کرتے ہوئے مجھے یوں ہی محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اپنے موت کے پروانے پر خود ہی دستخط کر دیئے ہوں میں کاغذات سائن کر چکی تھی ۔ وکیل اور مما دونوں جا چکے تھے۔

میں شدید صدمے میں تھی۔ مجھے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

میں ان لوگوں کو روکنا چاہتی تھی کہ رک جاؤ یہ لیٹر اسے مت بھیجنا۔ میں بدحواسی کے عالم میں ان کے پیچھے لپکی تھی۔ اور راستے میں کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گھٹنوں کے بل گری تھی۔ میں نے زمین پہ ہاتھ رکھ کر خود کو بچایا تھا۔ میری گھٹنے پہ چوٹ آئی تھی۔

اور پھر میں نے اٹھنے کی کوشش کی تھی ممی اور وکیل دونوں پورچ میں تھے۔ میں نے خود کو اٹھانا چاہا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ زمین گول گول گھوم رہی ہے۔ جیسے زمین سورج کے نہیں میرے گرد چکر لگا رہی ہو۔ اور پھر مجھے اپنا ذہن تاریکی میں ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔ اس کے اگے کی مجھے کچھ خبر نہیں۔

کچھ گھنٹوں بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں کسی اور ہی جگہ تھی۔ یہ میرا گھر ہرگز نہیں تھا۔ میں نے مندی مندی آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لیا تو مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی میں ہوسپٹل میں تھی۔ ڈاکٹر اور نرسسز میرے ارگرد کھڑی تھیں۔

"اب کیسی طبعیت ہے آپکی۔" ڈاکٹر نے مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر مسکرا کر پوچھا تھا۔ میں نے سر ہلا کر اسے بہتر ہونے کا اشارہ دیا تھا۔

"آپ ان کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھیں جتنا ہو سکے انہیں ٹینشن سے دور رکھیں ایسی حالت میں آپ لوگوں کی ذرا سی کوتاہی آپ کو بہت مہنگی پڑ سکتی ہے اب دو دو جانوں کا مسئلہ ہے آپکی بیٹی بہت ویک ہے اسکا منتھلی چیک اپ ہو گا اور ان کا خوراک کا خاص خیال رکھئے گا۔ یہ میڈیسن ہیں انہیں ٹائم پہ دے دیجئے گا اور کچھ دیر میں ہم انہیں ڈسچارج کر دیں گے۔" ڈاکٹر اپنی ہدایات مما کو دے کر چلی گئی تھی۔ اور میں حیرانگی سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

وہ کیا کہہ کر گئی تھی میرے فرشتوں کو بھی سمجھ نہیں آیا ہو گا۔ البتہ مما کا چہرہ بتا رہا تھا کہ بات کوئی پریشانی والی ہے۔ وہ بھی خاموشی سے باہر چلی گئیں تھیں۔ کیا ہوا ہے مجھے یہ سب اتنا پریشان کیوں تھے۔

"کیا کوئی جان لیوا بیماری ہے مجھے۔" میں نے ان کے جاتے ہی مجھے ڈرپ لگاتی نرس سے پوچھا تھا۔ وہ میری طرف دیکھ کر ہنس دی تھی۔

"میں مرنے والی ہوں اور تم ہنس رہی ہو۔" مجھے فوراً غصہ آگیا تھا۔

ارے نہیں خوش خبری ہے آپ کے لیے۔ وہ یوں ہی اپنے کام میں مصروف بولی۔

"کیا خوش خبری ہے بتاؤ ویسے اس وقت مرنا ہی میرے لیے خوش خبری ہو سکتی ہے۔" میں چڑ کر بولی۔

"ارے آپ تھری منتھ پریگنٹ ہو۔" وہ مجھے تاسف سے دیکھتے ہوئے سر ہلا رہی تھی جیسے میری کم عقلی پہ ماتم کر رہی ہو۔

"کیا۔۔۔؟" اس کہ بات سے مجھے صیح معنوں میں کرنٹ لگا تھا میں تو اچھل ہی پڑی۔

مجھے کیوں پتہ نہیں چلا میں پریشانی سے زیر لب بڑبڑائی۔ اور اپنا سر تھام لیا۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا زندگی کی تو سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ وہ چل کس ڈگر پہ رہی ہے۔ جہاں میں نے راستہ بدلنے کا سوچا تھا وہاں قدرت نے میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

یہ کیسی خوشی تھی جس کے ہونے سے کوئی خوشی نہیں ہو رہی تھی۔ بس ایک پچھتاوے کا احساس تھا۔ دل عجیب طرح کی بے حسی کا شکار ہو گیا تھا۔ شام کو میں ڈسچارج ہو کر گھر آگئی تھی۔

مما سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ دادو کی گود میں سر رکھ کر میں پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ میں یہ کیا کرنے جا رہی تھی عاقف کیا کر رہا تھا کیا ہو رہا تھا ہمارے ساتھ زندگی ایک مذاق بن کر رہ گئی تھی۔ انسان اپنے پلان بناتا رہتا ہے مگر اکثر وہی ہوتا ہے جو اللہ ہمارے لیے لکھ چکا ہوتا ہے۔ دادو سن کر خوش تو ہوئیں تھیں مگر میری طرح اداس بھی تھیں۔ ہم دنوں کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

"اللہ کے حوالے میری بچی۔" میرے بال سہلاتے ہوئے دادو نے کہا تھا۔ میں نے ان کے الفاظ دل ہی دل میں دہرا دیئے تھے۔

اگلی صبح میری ماں نے ایک نیا منصوبہ تیار کر کے رکھا تھا۔

"افصی تم ابارشن کروالو ابھی اتنا وقت نہیں گزرا میں نے ڈاکٹر سے بات کر لی ہے۔ وہ پیسے کچھ زیادہ مانگ رہی ہے مگر کام کرنے کو راضی ہے۔" میرے لیے یہ بات اتنی غیر متوقع تھی کہ میری ماں اس حد تک بھی سوچ سکتی ہے۔ وہ میرے قتل کا منصوبہ اتنی آسانی سے بنا گئیں۔

"دیکھو افصی مجھے غلط مت سمجھو میں تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہی ہوں۔" میرے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھ کر انہوں نے اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"آپ جانتیں ہیں آپ مجھ سے کیا کہہ رہیں ہیں۔" میں نے آنسوؤں میں بھیگی آواز سے کہا۔

"میں جانتی ہوں میری بات نے تمہیں دکھ دیا ہے مگر میں کیا کروں میں مجبور ہوں۔" وہ پریشانی سے بولیں۔

"کیا پریشانی ہے آپ کو۔" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"وہ میری دوست ہے نہ صفیہ اسکا بیٹا سہیل شادی کرنا چاہتا ہے تم سے بس وہ لوگ ڈایورس کا انتظار کر رہے ہیں۔" مما کی بات نے میرے سر پر چھت گرا دی تھی۔

"وہ ڈرگ ایڈکٹ ہے لڑکیوں کے ساتھ پتا نہیں کہاں کہاں سے پکڑا جا چکا ہے وہی ملا ہے آپ کو میرے لیے۔" مجھے عجیب طرح کا دکھ اپنے لپیٹ میں لینے لگا تھا۔ میری ماں میری ڈیورس تک بھی نہیں رک رہی تھی۔

"آپ صاف کہہ دیں میں بوجھ بن گئی ہوں آپ پر۔" میں شدید غصے میں تھی۔

"بات کو غلط رخ پہ مت لے کر جاؤ۔" مما نے بھی اسی طرح جواب دیا۔

"آپ کو وہ سہیل ہی نظر آیا میرے لیے دنیا جہان کا آوارہ۔" میں چڑ کر بولی

"وہ تمہارا شوہر تو بہت مولوی ہے ناں اسکے کرتوت بھی تم دیکھ چکی ہو۔" مما کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"ہاں وہ غلطی پر ہے مگر پھر بھی سہیل سے لاکھ درجہ بہتر ہے اگر سہیل سے شادی کرنے کی نوبت آئی تو میں عاقف کے پاس واپس چلی جاؤں گی۔" میں اپنی بات سنا کر رکی نہیں تھی چلی گئی تھی۔

آج کافی دن ہو گئے لیٹر تو اسے مل ہی چکا ہو گا مگر اسکی طرف سے ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اگر اس نے سچ مچ طلاق دے دی تو۔

اس سے آگے ان گنت سوچیں تھیں۔ جو مجھے رات بھر جگائے رکھتیں۔ میرے بچے کا کیا ہو گا۔ اس کے سر پہ باپ کا سایہ نہ ہوا تو کیا ہو گا۔ میرا دماغ ایسی باتیں سوچ سوچ کر شل ہو جاتا۔

"افصی جاگ رہی ہو۔" میں انہی سوچوں میں گم تھی جب مما نے میرے کمرے میں جھانکا۔ میں انہیں دیکھ کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔ وہ آ کر میرے قریب بیٹھ گئیں۔

"دیکھو افصی میں تمہاری ماں ہوں دشمن نہیں ہوں تمہاری۔ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ تم مان جاؤ یہ بچہ آگے جا کر تمہارے لیے بہت بڑا مسئلہ بن سکتا ہے۔" وہ سر جھکائے بول رہیں تھیں۔

"مما ایک بات بتائیں۔" میں انکی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"جب میں پیدا ہونے والی تھی تو آپ کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اگر آپ یہ بچہ پیدا کریں گی تو آپکی جان جا سکتی ہے۔ اس لیے آپ ابارشن کروا لیں۔" میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں تو۔" وہ مجھے حیرت سے دیکھ رہیں تھیں۔۔ اس وقت بھلا اس بات کا یہاں کیا ذکر۔

"مگر آپ نہیں مانیں جب میں پیدا ہونے والی تھی آپکو آپریشن تھیٹر لے جایا گیا تو آپ نے پاپا سے یہ وعدہ کیوں لیا کہ اگر ماں اور بچے میں سے کسی ایک کو بچانے کی نوبت آئی تو مجھے بچایا جائے۔" میں اپنی بات کر کے کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئی۔

"تم میری اولاد ہو نو ماہ اپنی کوکھ میں پال کر میں تمہیں کھو دینے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتی تھی۔ مجھے اپنی جان دینا منظور تھا مگر تمہیں خراش بھی آئے میں یہ کیسے گوارا کر سکتی ہوں"۔

"مگر پہلے بھی تو ڈاکٹرز نے ابارشن کا کہا تھا پاپا آپ کے ساتھ تھے تب بھی آپ نہیں مانیں۔" میں ابھی تک انکی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مجھے تم اپنی زندگی کی سب سے قیمتی شے لگتی تھی جیسے کھونے کا تصور میرے لیے موت تھا۔" وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولیں۔ مگر جب بابا نے ڈاکٹرز کو آپ کو بچانے کا کہا۔

"اور بعد میں آپ کو یہ پتہ چلا وہ تو اللہ کی قدرت تھی کہ اس نے میڈکل سائنس کو جھوٹا قرار دے دیا بے شک اسی کی ذات سچی ہے۔ اس نے ہم دونوں کو جان بخش دی۔" آپ نے بابا سے بہت جھگڑا کیا اور پاپا کے بار بار معافی مانگنے پر بھی آپ انہیں معاف کرنے کو تیار نہ تھی۔

"ایسا کیوں۔۔۔؟" میرے سوالات تو آج ختم ہی نہیں ہو رہے تھے ۔ یہ وہ قصہ تھا جو میں ہزاروں بار سن چکی تھی۔ پاپا یا مما سے یہ قصہ وہ اپنے فرینڈز کو سنایا کرتے تھے۔

"وہ اس لیے کہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں تو جیتے جی مر جاتی میری تو آخری امید تم تھی۔ جبکہ ڈاکٹرز نے یہ صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ہم اگلے بچے کے بارے میں سوچیں بھی نہیں۔ اس لیے ہم نے تمہیں ہی اپنا سب کچھ مان لیا ہے۔ تم نے ہمارے رشتے کو مضبوط کیا

ہمیں جینے کی وجہ دی تمہاری خوشی سے بڑھ کر ہم نے کبھی کچھ نہیں سوچا تمہیں دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔" وہ مجھے گلے سے لگائے مجھے منانے کی کوشش کر رہیں تھیں۔

"آپ بہت پیار کرتی ہیں کیا مجھ سے۔" میں ان کی گود سے اپنا سر اٹھا کر کافی دیر انہیں دیکھتی رہی تھی۔

"یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے تم سے بڑھ کر مجھے کچھ بھی عزیز نہیں۔" میں انہیں ویسے ہی دیکھتی رہی۔ اور پھر بیڈ سے اٹھ کر سامنے ٹیبل پہ پڑی فروٹ باسکٹ سے چھری اٹھا کر ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔ انہوں نے حیرانگی سے میری طرف دیکھا اور پھر وہ چھری ان کے ہاتھ میں تھمادی تھی۔ اور انکا ہاتھ چھری سمیت اپنی گردن پہ رکھ دیا تھا۔

"آپ مجھے مار سکتی ہیں کیا۔۔؟" میں انکی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

"بولیں میرا قتل کر سکتیں ہیں چلیں مار دیں فساد کی جڑ ختم ہو۔" میں اسی طرح نہیں دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو میں تمہیں کیسے مار سکتی ہوں جگر کا ٹکڑا ہو تم میرے میرے جینے کی وجہ ہو تم۔" مما نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں مجھ پہ جماتے ہوئے کہا اور اپنا ہاتھ واپس کھینچنے لگیں۔

"ایک کٹ بھی لگا سکتیں ہیں مجھے اپنے ہاتھوں سے۔" میں نے انکا ہاتھ اب اپنی کلائی پہ رکھا تھا۔

"چلیں ایک کٹ لگائیں مجھے۔"

"تم مکمل پاگل ہو گئی ہو تم یہ سب کیا کر رہی ہو۔" مما پریشانی کے عالم میں مجھ سے وہ نائف چھیننے کی کوشش کر رہیں تھیں۔

"نہیں کر سکتیں ناں آپ یہ سب مجھے پتہ تھا۔" میں نے اپنے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔

"آپ خود سوچیں اگر آپ مجھے ایک خراش تک آنے نہیں دے سکتیں تو میں اپنی اولاد کا قتل کیسے کر سکتی ہوں۔" میں نے روتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

"جس طرح میں آپکو عزیز ہوں ناں اسی طرح میرا بچہ بھی اب میری زندگی کا آخری سہارہ ہے میرے جینے کی وجہ ہے میری محبت کی نشانی ہے ایسے کیسے خدا کے نظام کو اپنے ہاتھ میں لے لوں کیسے اسکا کام میں کروں میں کون ہوتی ہوں کسی کی جان لینے والی کسی ایسے انسان کی جو ابھی تک اس دنیا میں آیا ہی نہیں۔" میں روتے ہوئے بول رہی تھی۔ مما اپنے ہاتھ کو اپنے منہ کے آگے رکھے اپنی چیخیں روک رہیں تھیں۔

"کہتے ہیں اصل سے سود پیارا ہوتا ہے مما کیا میرا بچہ آپ کو پیارا نہیں۔" میں عجیب خود ترسی کا شکار ہوئی ان سے پوچھ رہی تھی۔

"میں اپنی جان لے سکتی ہوں آپ بولو میں خودکشی کر لوں گی۔ مگر میں اپنے بچے کی جان نہیں لے سکتی۔" میں اب زور زور سے رونے لگی تھی۔ "یہ نہیں ہو گا مجھ سے۔"

"مجھے معاف کر دو میری بچی اپنی ممتا میں تمہاری ممتا کو یکسر فراموش کر دیا۔" مما مجھے اپنے گلے لگاتے ہوئے رونے لگیں تھیں۔

"میں اب اپنی بچی کی زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی تم پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مما مجھے تسلی دے کر روتے ہوئے چلی گئیں تھیں۔ اور میں اپنے بستر پہ ڈھے سی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے یہاں آئے دوماہ ہونے کو آئے تھے۔ نوٹس بھی چلا گیا مگر عاقف لوٹ کر نہیں آیا۔ مگر میں نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھ کہ مجھے اب عاقف کے بغیر اپنے بچے کے لیے جینا ہے۔ انہی دنوں دادو کی طبعیت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ ٹینشن ہے آپ ان کا خیال رکھیں۔ ظاہر ہے اس گھر میں ایک ہی ٹینشن تھی جس کا نام افصی تھا۔ میں نے خود پر سے اداسی کا خول اتار دیا تھا۔
میں دادو کے سامنے خوش سے خوش تر رہنے کی کوشش کرتی ہنستی اور انہیں بھی ہنساتی۔ ان سے اچھے اچھے نام پوچھتی کہ اگر بیٹی ہوئی تو کیا نام ہو گا اور اگر بیٹا ہوا تو کیا نام۔ وہ بھی میری خوشی کے لیے نام بتاتیں اور میں ریجکٹ کرتی وہ پھر سے کوئی نام بتاتیں میں مان جاتی مگر تھوڑی دیر بعد اس میں سے بھی نیا نقص نکال لیتی آجکل یہ ہی ہمارا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ وقتی طور پر بہل گئیں تھیں مگر اندر سے تو وہ بھی میرے لیے پریشان تھیں۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ میں دادو کو دوا دے کر سلا چکی تھی۔ اور اب خود سونے کی تیاری میں تھی جب دروازے پہ بیل ہوئی تھی۔ میں پریشان ہو گئی تھی اس وقت کون ہو سکتا ہے اور اسی کشمش میں دروازے تک پہنچ گئی۔ اور اللہ کا نام لے کر دروازہ کھول دیا۔
اور پھر میں عجیب انداز میں فریز ہوئی تھی۔ میرے سامنے عاقف کھڑا تھا۔ مجھے لگا میرا الوژن ہے۔ مگر وہ تو چل کے اندر آ گیا تھا بلکہ میرا ہاتھ بھی پکڑ لیا تھا۔ میں بھی کٹی پتنگ کی طرح اس کے ساتھ چلتی گئی۔ تھوڑا آگے جا کر مجھے ہوش آیا تھا کہ ہم میں لڑائی چل رہی ہے اور ہمارا ڈیوورس ہونے والا ہے۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ کی قید سے آزاد کروایا تھا۔
"کیا ہوا؟" عاقف نے بیگ نیچے رکھتے ہوئے حیرت سے مجھے دیکھا۔
"تمہیں نہیں پتہ کہ کیا ہوا۔" میں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔
"اتنی بڑی بات تو نہیں تھی کہ تم گھر چھوڑ کر چلی جاؤ۔" وہ مجھے ملامت کر رہا تھا۔
"اتنی ہی چھوٹی بات تھی تو تم منا لیتے تم۔"
"تم موقع تو دیتی منانے کا سیدھا نوٹس بھیج دیا ایسا کون کرتا ہے۔" وہ ناراضگی سے بولا۔
"بیوی کے ہوتے ہوئے منگنی کون کرتا ہے۔" میں بھی غصے سے بولی۔
"شوہر ائیر پورٹ پہ منانے آئے اس کے بعد بھی بیوی چلی جائے ایسا کون کرتا ہے۔" وہ بھی منہ پھلائے بولا۔
"بیوی دوماہ سے میکے میں ہو اور شوہر منانے نہ ایسا بھی کون کرتا ہے۔" میں بھی اسے دوبدو جواب دے رہی تھی۔

"اب کیا چاہتی ہو تم۔" وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔

"طلاق!!" میں نے ایک لفظی جواب دیا۔

"اب بھی"۔ وہ حیران ہوا۔

"ہاں۔" میں یوں ہی بولی۔

"تم پیچھے نہیں ہٹو گی اپنے فیصلے سے۔۔" وہ بازو سینے پہ باندھتے ہوئے بولا۔

"میں اپنے فیصلے پہ قائم ہوں ویسے بھی تمہیں کیا فرق پڑتا ہے تم جا کر اس ژالے سے شادی کر لینا۔" میں دانت پیستے ہوئے بولی۔

"اب یہ ژالے کہاں سے آگئی۔" وہ چڑ گیا۔

"شروع سے وہی تو ہے ہمارے بیچ تم لائے اسے ہمارے بیچ۔" میں بھی غصے سے بولی۔

"ہو کیا گیا ہے تمہیں"۔ وہ پریشانی سے بولا۔

"کچھ نہیں۔ گیسٹ روم میں جا کر سو جاؤ بہت دیر ہو گئی ہے۔ صبح بات کریں گے۔" میں اسے کہہ کر رکی نہیں تھی۔ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی وہ وہیں کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ آ گیا تھا تو کیا ہوا کونسا بڑا احسان کر دیا مجھ پہ اتنا عرصہ جو مجھے تڑپایا وہ سب اتنی آسانی سے تو میں بھی نہیں ماننے والی تھی۔ اس کو ٹھیک کر کے ہی دم لوں گی۔ میں یہ ٹھان کر سونے لیٹ گئی تھی۔ آج ایک لمبے عرصے بعد میں چین سے پر سکون نیند سونے والی تھی۔ ابھی تو میں پر سکون ہو کر سونے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک میرے کمرے کا دروازہ کھلا ۔ میں فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" میں نے بیگ میرے کمرے میں گھسیٹ کر لاتے عاقف کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"تمہارے کمرے کے ہوتے ہوئے میں گیسٹ روم میں کیوں رہوں۔" وہ مزے سے کہتے ہوئے بیڈ پہ نیم دراز ہو گیا۔

"عجیب زبردستی ہے۔" میں چڑ گئی۔

"کیوں میں یہاں کیوں نہیں رہ سکتا۔" وہ حیرت سے بولا

"کیوں کہ یہ میرا کمرہ ہے اس میں بنا اجازت کے کوئی نہیں رہ سکتا اس لیے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم نکل جاؤ یہاں سے۔" میں منہ بناتے ہوئے بولی۔

"واہ افصی جی اب میں کوئی ہو گیا یعنی کہ کمال ہو گیا۔ تم بھی تو میرے گھر میں میرے کمرے میں رہتی تھی میں نے تو تمہیں کبھی گیسٹ روم میں رکنے کو نہیں کہا۔ اب تمہاری باری آئی ہے تو تم مجھے نکال رہی ہو یہاں سے واہ افصی۔۔۔" وہ بچوں کی طرح روٹھے ہوئے انداز میں بولا۔ مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔

"ہاں تو اب کیا تم اس بات کو جتاؤ گے۔" میں نے اپنی ہنسی کا گلا گھونٹتے ہوئے کہا۔

"جتا کب رہا ہوں بس بتا رہا ہوں کہ کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ ناں یاد ہو۔وہ چہرے پہ انتہا کی مظلومیت طاری کیے بولا۔

"دیکھو اس وقت میں غصے میں ہوں تم مجھے کچھ وقت کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔"میں نے خود کو ریلکس کرتے ہوئے کہا۔

"دو ماہ اکیلی رہی ہو ابھی تک دل نہیں بھرا تنہائی سے۔"وہ میرے قریب ہوتے ہوئے بولا۔

"نہیں بھرا۔"میں نے دو بدو جواب دیا۔

"ٹھیک ہے مگر میں تو نہیں جاؤں گا یہاں سے۔"وہ بستر پہ اور پھیل گیا۔

"تو ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں۔"میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کہاں جا رہی ہو۔"اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔

"اگر تم نہیں رہوں گے گیسٹ روم میں تو پھر میں چلی جاتی ہوں۔"میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو ٹھیک ہے میں وہاں بھی آجاؤں گا۔"وہ مزے سے بولا۔

"میں اس بار دروازہ کھلا چھوڑنے والی غلطی کو نہیں دہراؤں گی۔"میں نے اسے آنکھیں دیکھائیں۔

"تم کافی موٹی نہیں ہو گئیں۔"وہ بغور میرا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"ہاں کیوں تمہیں کوئی پرابلم ہے۔"میں نے چڑ کر کہا۔

"ارے نہیں تم بہت فٹنس کانشس ہو اس لیے کہہ رہا ہوں بندہ دو ماہ میں اتنا موٹا کیسے ہو سکتا ہے۔"اس نے پر سوچ لہجے میں کہا میں بس خاموشی سے کھڑی رہی۔

"سنو! ایک بار میری بات سن لو پھر جو فیصلہ ہو گا مجھے منظور ہے۔"

"میں فیصلہ کر چکی ہوں۔جب فیصلہ کر لیا جائے تو چاہے وہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، پھر دل ٹھہر جاتا ہے. میں منہ پھیرے یونہی بولی۔"

"یار ہر بندے کو ایک بار تو اپنی صفائی پیش کرنے کا حق ہوتا ہی ہے تم یہ حق کیسے چھین سکتی ہو مجھ سے۔"وہ ناراضگی سے بولا۔

"میں نے تو اپنے سارے حق اور اختیار تمہیں سونپ دیئے تھے۔مگر تم ہی نے میری قدر نہیں کی۔"میں دکھ سے بولی۔

"میں تمہاری بہت قدر کرتا ہوں تم موقع تو دو۔"وہ لجاجت سے بولا

"اس سے کیا ہو گا۔"میں ایک ہی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے تم ایک بار میری بات سن لو پھر جو بھی تمہارا فیصلہ ہو گا مجھے منظور ہے۔"اس نے کہتے ہوئے کھینچ کر مجھے اپنے پاس بٹھالیا۔

میں بھی خاموشی سے بیٹھ گئی۔بے شک ایک بار اپنی صفائی پیش کرنے کا حق اسے بھی تھا۔اور میں یہ حق اس سے نہیں چھین سکتی تھی۔

اس کے بعد جو عاقف نے مجھے کہانی سنائی تو سن کر شاک ہو گئی تھی۔کہ ایسا بھی ہوتا ہے لوگ کس حد تک گر جاتے ہیں پتہ بھی نہیں

چلتا۔ ژالے کے ماں باپ نے عاقف کے شادی شدہ ہونے کے باوجود رشتہ کیسے طے کر دیا اور اسکی بیوی کے ہوتے ہوئے اسکی منگنی کی رسم کر دی۔ ژالے کو لڑکوں کی کمی تھی کیا۔ ایسا ہوتا ہے کیا۔۔۔؟ میں بتاتی ہوں ایسا کیوں ہوا۔

ژالے کسی اور کو پسند کرتی تھی اور اسکے ماں باپ نے اسکا رشتہ اسکی مرضی کے بنا عاقف سے طے کر دیا۔ عاقف نے شادی سے انکار کر دیا۔ اور امریکہ چلا گیا۔ اور پھر یہاں مجھ سے شادی کر لی۔ عاقف کے پیرنٹس کو کوئی اعتراض نہیں تھا بس ژالے کے گھر والوں نے عاقف کے گھر والوں سے ہر رشتہ ختم کر دیا۔ ممی اس بات سے کافی پریشان تھیں۔ میری شادی کے بعد بھی ممی کا رویہ بالکل ٹھیک تھا۔ مگر پھر اچانک ان لوگوں کی صلح ہو گئی۔ اور ژالے کی ممی کی پڑھائی پٹی پہ ممی نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور میری بے وقوفی کے میں نے انہیں عاقف کا جھوٹ بتا کر موقع فراہم کر دیا۔ اور اسی چیز کو بنیاد بنا کر ممی نے اپنا کام کر دیکھایا۔ اور عاقف کی ٹوٹی منگنی کو دوبارہ جوڑ دیا۔ میرے کہنے پر عاقف منگنی اس لیے نہیں توڑ رہا تھا کہ وہ کسی چیز کا سراغ لگا رہا تھا۔ جس کے لیے وقت چاہیے تھا۔ مگر میں غصے میں وہ گھر چھوڑ کر آ گئی۔

عاقف جلدی اس لیے نہیں آ سکا کیوں کے وہ ژالے پہ تحقیق کر رہا تھا۔ آخر وہ سراغ اسے مل ہی گیا تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ ایک دن عاقف نے اسے ہاسپٹل سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ "گائناکالوجسٹ کے پاس اسکا کیا کام"۔ عاقف نے وہاں موجود ایک نرس کو پیسے دے کر اسکی رپورٹس اور اسکے بارے میں انفارمیشن لی تھی۔

ژالے کے گھر والے شادی کی بہت جلدی مچا رہے تھے۔ اور عاقف جان بوجھ کر دیر کر رہا تھا۔ ژالے کے بوائے فرینڈ نے اسے دھوکا دیا تھا۔ اور اپنا کام کر کے غائب ہو چکا تھا۔ ژالے کی ماں اسکا ابارشن کروانا چاہتیں تھیں مگر ژالے کسی طور راضی نہیں تھی۔ اس لیے انہوں نے عاقف کو اپنے جال میں پھانسا اور اسکے گلے اپنا ڈھول لٹکانے کی کوشش کی وہ تو عاقف کی قسمت اچھی تھی کہ راز کھل گیا۔ جب ژالے کے گھر والوں نے شادی کے لیے اسرار کیا تو عاقف نے سب کو جمع کر کے سچ ان کے سامنے رکھ دیا۔ پہلے تو وہ لوگ بالکل منکر ہو گئے۔ مگر پھر ناراض ہو کر چلے گئے۔ عاقف نے ژالے کے بوائے فرینڈ کو ڈھونڈھ کر اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ اسے اپنانے کے لیے تیار تھا۔ عاقف ان لوگوں کا مسئلہ نمٹا کر ہی یہاں آیا تھا۔

میں نے خاموشی سے اسکی بات سنی تھی اور پھر اٹھ کر دادو کے روم میں چلی گئی تھی اتنی آسانی سے کیسے یقین کر لیتی۔ یہ سب مجھے رام کرنے کے لیے جھوٹ بھی تو ہو سکتا تھا۔ آدھی رات تو گزر ہی گئی تھی۔ باقی بھی ہم جاگتے رہے تھے۔ صبح فجر کی نماز ادا کر کے میں کچن میں آئی تو اتنی سردی میں وہ بالکونی میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اس پہ ترس آ گیا تھا اس لیے ایک کپ کافی کا اس کے لیے بنا لیا اور لے کر بالکونی میں چلی گئی۔

"تم اتنی ٹھنڈ میں کیوں بیٹھے ہو۔" میں نے کافی کا مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"بس ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی تو یہاں آ گیا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا

"اچھا تم کیا رات بھر سوئے نہیں۔" میں اس کے قریب رکھی چیئر پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم بھی تو نہیں سوئی۔" وہ اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔" میں نے نظریں جھکا کر کہا جیسے میری چوری پکڑی گئی ہو۔

"کیونکہ اگر تم سو جاؤ تو اتنی صبح نہیں اٹھتی۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ موسم بہت خوبصورت تھا ہر سو ٹھنڈی ہوا کا رقص سورج نکلنے میں ابھی وقت تھا۔

"جی نہیں میں سوئی تھی بس آنکھ جلدی کھل گئی۔" میں نے جلدی سے بہانا گھڑا۔

"اچھا تمہیں تو کافی پینا پسند نہیں ہے وہ بھی صبح صبح۔" وہ کافی کا مگ ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

"مگر تمہیں تو پسند ہے ناں۔" میں بے ساختگی میں کہہ گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں تم چاہے کتنی بھی نفرت جتا لو مگر مجھ سے نفرت کر نہیں سکتی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

"ہاں یہ میرا ویک پوائنٹ ہے۔" میں افسردگی سے گویا ہوئی۔

"کیا فیصلہ ہے پھر تمہارا۔" وہ کافی کا سپ لیتے ہوئے بولا۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے۔" میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ٹھیک ہے مگر کافی تو پیتی جاؤ۔ اس نے جاتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑا۔

"میں نے کافی تمہارے لیے بنائی تھی۔" میں نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر اب بنا ہی لی ہے تو میرا ساتھ دینے کے لیے پی لو پھر نا جانے یہ پل نصیب ہوں نہ ہوں۔" وہ شکستہ لہجے میں کہتا بہت بکھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں بیٹھ گئی تھی۔ مجھے نہار منہ کافی بالکل پسند نہیں تھی اور عاقف کو صبح اٹھ کر سب سے پہلے کافی چاہیے ہوتی تھی۔ میں اکثر اس کافی کو کالا محلول کہتی تھی۔ بھلا نہار منہ کافی کون پی سکتا میں تو بلکل نہیں۔ مگر اس کے اتنی پیار اور اسرار کو میں منع نہ کر سکی اور ایک دو سپ لے لیے۔ اگر آپ کو کسی چیز کی عادت ناں ہو وہ بھی نہار منہ تو وہ کافی مہنگی پڑتی ہے آپکو مگر یہ کافی مجھے مہنگی پڑ گئی تھی ایسی حالت میں یہ سب پینا مجھے فوراً ابکائیاں آنے لگیں تھیں۔ میں واش روم کی طرف بھاگی۔ میری حالت کافی خراب ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا افصی تم ٹھیک ہو چلو ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" عاقف کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ میں نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"سوری افصی مجھے تمہیں فورس نہیں کرنا چاہیے تھا۔" "تمہاری طبعیت اتنی خراب ہو جائے گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔ وہ بے حد پریشان ہو گیا تھا۔ میں نے اشارے سے اسے کہا کہ مجھے میرے کمرے تک لے جائے۔ وہ مجھے سہارا دے کر بیڈ روم تک لے گیا تھا۔ میں وہاں بیڈ پہ بیٹھ کر رونے لگی تھی۔

"افصی روکیوں رہی ہو زیادہ طبعیت خراب ہے تو میں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں اٹھو تم۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھانے کی کوشش کی۔میں نے روتے ہوئے سر نفی میں ہلایا اور اسے اپنے پاس بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔وہ پریشانی سے میرا ہاتھ تھامے میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"ہم بہت کچھ سوچتے ہیں بہت کچھ پلان کرتے ہیں مگر آخر میں جانتے ہو کیا ہوتا ہے۔" میں نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اسکی طرف دیکھا۔عاقف نے سر نفی میں ہلایا۔

"آخر میں قدرت کا پلان کامیاب ہو جاتا ہے بے شک وہی پلان ہمارے لیے بہترین ہوتا ہے۔کچھ لوگوں کی دعائیں ہمارے حق میں قبول ہو جاتیں ہیں اور ہم بہت بڑے نقصان سے بچ جاتے ہیں۔ان کی دعائیں ہمارا دامن خوشیوں سے بھر دیتیں ہیں جن خوشیوں کو ہم اپنی بے وقوفی سے گنوانے جارہے ہوتے ہیں۔" میرے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر عاقف کے ہاتھ پر گر رہے تھے۔اور وہ نا سمجھی سے مجھے تک رہا تھا۔"میں بھی اپنی جذباتی طبعیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں آگئی تھی۔یہی سوچا کہ تم مجھے منانے آؤ گے۔تم نہیں آئے۔اور پھر میں نے فیصلہ کر لیا اور تمہیں خلع کا نوٹس بھجوا دیا۔جانتے ہو اس کے پیچھے بھی میرا مقصد طلاق کا حصول نہیں تھا۔صرف یہ تھا کہ وہ نوٹس دیکھ کر تم ضرور آجاؤ گے۔مگر میں غلط تھی اسی دن مجھ پہ ایک اور بڑا انکشاف ہوا مجھے لگا میں نے تین تین زندگیاں برباد کر دیں ہیں۔" میں نے جھکا سر اٹھا کر عاقف کو دیکھا۔اسکی آنکھوں میں تیسری زندگی کے لیے سوال تھا۔میں نے تھوڑی دیر رک کر سانس لیا اور پھر سے کہنا شروع کیا۔

"میں تم اور ہمارا ہونے والا بچہ۔" میرے اس انکشاف پر عاقف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔"اس سب کے بعد بھی تم کہیں نہیں تھے تو میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنے بچے کو اکیلی پال لوں گی۔" اپنی بات مکمل کر کے میں خاموش ہو گئی تھی۔اور وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ مجھے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں اکیلا چھوڑ دوں گا۔" جب وہ بولا تو اسکی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

"تم نے مجھے اتنی بڑی خوش خبری سنائی ہے کہ میرا دل چاہ رہا ہے ایک ٹانگ پہ رقص کروں۔" آنسوؤں سے بھری آنکھیں مسکراتے ہونٹ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے ہونٹ بھی مسکرا اٹھے سچ کہوں تو اس دن پہلی بار مجھے یہ خوشی سچ میں خوشی محسوس ہوئی تھی۔

"اور تمہارا نوٹس دیکھ کر میں تمہیں طلاق تھوڑی دینے والا تھا میں تو بس وہ ژالے کو اپنی اور تمہاری زندگی سے نکالنے میں مصروف تھا اس لیے فوراً نہیں آسکا۔" وہ اپنی صفائی دے رہا تھا۔

"اور میرے جیتے جی تم اور میرا بچہ کبھی تنہا نہیں ہو سکتے سمجھی تم۔اور تبھی تم اتنی موٹی ہو گئی ہو۔" عاقف مجھے اپنی بانہوں کے حصار میں لیتے ہوئے مسکرایا۔مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایک تنہا صحرا میں بھٹکتے مسافر کو کوئی نخلستان مل گیا ہو میں بھی اسکے کندھے پہ سر رکھ کر مسکرا دی۔ایسا لگا دکھ اور اذیت کے پل ختم ہو گئے ہوں۔ہم دونوں میں پیدا ہونے والی ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں تھیں۔

صبح جب مما پاپا اٹھے تو انکا رویہ عاقف کے ساتھ کافی حد تک روڈ تھا البتہ دادو اسے دیکھ کر کافی خوش ہوئیں تھیں وہ دنوں کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔

اسی دوران میں نے مما پاپا کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ یہ سن کر خوش ہوئے تھے کہ ہم دونوں کی صلح ہو چکی ہے۔ ہمارا گھر ٹوٹنے سے بچ گیا ہے۔ عاقف مجھے اپنے ساتھ واپس لیے جانا چاہتا تھا۔ مگر میں دادو کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر مجبوری تھی۔ اس کے لیے بھی عاقف نے حل ڈھونڈھ نکالا تھا۔

"ہم دادو کو اپنے ساتھ پاکستان لے چلتے ہیں۔" عاقف کی تجویز مجھے تو بہت اچھی لگی تھی مگر دادو تو جیسے کھل اٹھیں تھیں۔ دادا ابا کی وفات کے بعد وہ بہت کم پاکستان جا پائیں تھیں۔ پاپا کے پاس وقت نہیں ہوتا تھا اس لیے انہوں نے کبھی اسرار ہی نہیں کیا جانے کا۔ اب تو انکی پوتی کا گھر تھا وہ کیسے انکار کرتیں۔

عاقف کی ممی کی مجھے کال آئی تھی انہوں نے معذرت کر کے مجھے آنے کے لیے کہا تھا۔ اس لیے ہم لوگ دادو کو بھی ساتھ لے آئے تھے۔ عاقف کے ممی پاپا ہمیں ایئر پورٹ پہ رسیو کرنے آئے تھے۔ وہ بہت خوش بھی تھے۔ میری دادو کو عاقف کے گھر والو نے بہت عزت دی تھی۔

گھر آنے کے بعد دادو کو ان کے روم میں شفٹ کر کے میں فریش ہونے کے لیے اپنے روم میں جا رہی تھی جب راستے میں شرمندگی سے سر جھکائے کھڑی ممی کو دیکھ کر میں رک گئی تھی۔

"کیا بات ہے ممی کوئی کام تھا۔" انہیں یوں کھڑے دیکھ کر میں نے پوچھ ہی لیا تھا۔

"ہاں تم سے کچھ بات کرنی ہے میرے ساتھ آؤ۔" انہوں نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں

"مجھے معاف کر دو افصی میں صفیہ کی باتوں میں آ گئی تھی۔" اسنے مجھے اتنا بڑا دھوکا دیا وہ تو ہماری قسمت اچھی تھی کہ بات وقت پہ کھل گئی۔" وہ شرمندگی سے سر جھکائے بول رہیں تھیں۔

"مجھے معاف کر دو میں نے بہت غلط باتیں کہیں تم سے تمہاری زندگی برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا کہ اپنی دوستی بچانے کی خاطر میں کسی کا گھر اجاڑ رہی ہوں۔ میری آنکھوں پر خود غرضی کی پٹی بندھی تھی۔ مجھے لگا ژالے بیسٹ ہے مگر میں غلط تھی۔ مجھے معاف کر دو۔" وہ اچانک بات کرتے ہوئے رونے لگی تھیں۔

"ارے نہیں ممی آپکو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں فوراً ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"ایسے کیسے ضرورت نہیں میں رات بھر سو نہیں پاتی سوچتی ہوں کیا اگر میری بیٹی ہوتی تو اس کے ساتھ بھی میں ایسا ہی کرتی مجھے اندازہ نہیں تھا میں اس حد تک گر جاؤں گی۔" وہ مسلسل رو رہیں تھیں۔

"آپ پریشان مت ہوں میں نے آپکو معاف کیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے انکا ہاتھ پکڑا۔

"آج سے تم میری بہو نہیں بیٹی ہو۔جو تمہیں نہیں آتا میں تمہیں سکھاؤں گی۔ آخر کو یہ ایک ماں کی ذمے داری ہوتی ہے۔" وہ روتے ہوئے مسکرا دیں۔

"جی بالکل میں آپکی بیٹی ہوں اس لیے بتادوں کہ مائیں اپنی بیٹیوں کو ڈانٹ لیا کرتیں ہیں معافی نہیں مانگیں۔"میں نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں ایسی بیٹی کو کیسے ڈانٹ سکتی ہوں جو مجھے اتنا خوبصورت تحفہ دینے جارہی ہو۔"وہ مجھے گلے لگاتے ہوئے پیار سے بولیں۔

"آپ وعدہ کریں میرے بچے کی پرورش آپ کریں گی۔"میں نے انکے گلے لگتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں صرف تمہیں گائیڈ کروں گی میں جانتی ہوں تم اپنے بچوں کی پرورش بہت اچھی کرو گی۔"وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں میرے راستے کے سارے خار خودبخود ہٹتے جارہے تھے۔میں بہت خوش تھی۔

سب کچھ ٹھیک ہو رہا تھا سوائے ایک چیز کے اسے ٹھیک کرنا اب میری ذمے داری تھی۔میں ایک نیا عہد کر کے وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ میرے شب و روز دادو کے ساتھ ہی گزرتے تھے۔ممی بھی ہمارے ساتھ بیٹھی باتیں کرتیں رہتیں۔خوب رونق لگی ہوتی پاپا بھی آجکل اسٹڈی چھوڑ کر ہمارے پاس پائے جاتے۔میں نے ممی سے اردو کی کلاسز لینی شروع کر دیں تھیں۔ آخر کو وہ اردو کی پروفیسر رہ چکی تھیں۔ میں بہت جلدی سیکھ رہی تھی یہ زبان اتنی بھی مشکل نہیں تھی جتنی مجھے لگا کرتی تھی۔اور ویسے بھی جس چیز کا جنون اور جستجو ہو وہ مل ہی جایا کرتی ہے۔

ممی نے میری گود بھرائی کی رسم کرنے کا پلان بنایا تھا۔مگر مما پاپا کے بنا میں یہ رسم نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس لیے ایموشنل بلیک میل کر کے میں نے انہیں آنے کے لیے کہا تھا۔مگر ممی کسی طور راضی نہیں تھیں۔خیر انہوں نے میرے اسرار اور ضد کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔وہ لوگ ہمیشہ کے لیے یہاں شفٹ ہونے کو تیار ہو گئے تھے اب میں تو روز روز امریکہ جا نہیں سکتی تھی اور وہ وہاں اکیلے تھے۔میں نے ان کے اس فیصلے کو بہت سراہا تھا۔دادو کی طبعیت کچھ زیادہ ٹھیک نہیں رہتی تھی۔اب تو میری طبعیت بھی ٹھیک نہیں تھی۔

اللہ نے ہمیں چاند سی بیٹی دی تھی۔میں نے نام رکھنے کا حق دادو کو سونپ دیا تھا۔وہ میری بیٹی کو گود میں لے کر رونے لگیں تھیں۔اور پھر اپنی پسند سے اسکا نام فاطمہ رکھا تھا۔مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

"میں تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتی ہوں افصی۔"فاطمہ کو میری گود میں دیتے ہوئے دادو نے آہستگی سے کہا۔

"جی دادو آپ حکم کریں۔"میں ہمہ تن گوش تھی۔

"اپنے بچوں کو ان کے دادا دادی سے کبھی دور مت کرنا۔اصل سے سود پیارا ہوتا ہے۔"دادو کی بات نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ان کی تکلیف اور دکھ کو میں سمجھ سکتی تھی۔میں نے شرمندگی سے سر جھکالیا۔

"اور دوسری بات اپنے بچوں کو ان کی تہذیب سے کبھی دور مت کرنا ان پہ پاکستانی ہونے کا لیبل لگ چکا ہے کوشش کرنا وہ جو بھی بنیں تمہارا نہیں بلکہ اس ملک کا نام روشن کریں۔ یاد رکھنا جو قومیں اپنی تہذیب بھول جاتیں ہیں ان کی کوئی عزت نہیں کرتا۔ تم جانتی ہوں امریکی کیوں کامیاب ہیں۔" میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کیونکہ وہ اپنی تہذیب نہیں بھولتے وہ مسلمان نہیں ہیں مگر قرآن کی ہر بات پہ عمل کرتے ہیں بس اسلام قبول نہیں کرتے۔ اگر تم ان کے ملک کے قانون کو دیکھو تو تمہیں پتہ چلے وہ قرآن کریم کے ہی احکام ہیں جن پہ وہ چلتے ہیں ہم نہیں۔ ہم میں سے کوئی ایک سال امریکہ رہ آئے تو وہ اپنی زبان تہذیب سب بھول جاتا ہے واپس آئے تو اسکے مزاج نہیں ملتے۔ بے شک آپکا ملک اور آپکی ماں کی اچھی تربیت ہی آپکی پہچان ہوتی ہے۔ بس تم یہ بات اپنے پلو سے باندھ لو تمہارے بچے جہاں بھی جائیں اس ملک کی نمائندگی کریں۔" دادو کی نصیحت آج بھی حرف حرف یاد ہے مجھے وہ پھر زیادہ عرصہ ہم میں نہیں رہیں تھیں۔

مما پاپا کے یہاں شفٹ ہونے کے تیسرے مہینے وہ چل بسیں تھیں۔ وہ صدمہ بھی میری زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا۔ مگر وقت کا پہیہ چلتا رہتا ہے کب رکتا ہے۔ ان سالوں میں میں نے اردو سیکھ لی اور پھر ہر ناول پڑھا اپنے بچوں کو وہ سکھایا جو میری دادو چاہتیں تھیں۔ میں نے کبھی ان سے انگلش میں بات نہیں کی کیونکہ میں جانتی ہوں یہ وہ زبان ہے جسے پاکستانیوں نے بہت ضروری قرار دے دیا ہے۔ اس لیے میرے بچے خود ہی یہ سیکھ جائیں گے میں انہیں وہ سکھاؤں گی جو وہ خود نہیں سیکھیں گے۔

چودہ اگست کو میں نے آیان کو

"یہ وطن تمہارا ہے تم ہو پاسبان اس کے"

اور فاطمہ کو

"یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیران"

کی تیاری کروائی تھی ان کی ٹیچر چاہتی تھیں کہ ان سے کوئی انگلش میں ٹیبلو کروایا جائے مگر میں نے صاف کہہ دیا تھا کہ بچوں کو جو سکھاؤ گے وہ وہی سیکھیں گے۔ اگر آپ گانے سنو گے ان کے سامنے تو وہ ڈانس کریں گے اگر نماز پڑھو گے تو آپ سے پہلے مصلے پہ پائے جائیں گے۔ ٹیچر نے مجھے کہا تھا کہ وہ اس سب کیا جازت نہیں دے گی تو میں نے بھی صاف کہہ دیا تھا شہر کا بڑا اسکول ہو گا آپکے لیے میرے بچے اسی پر پرفارم کریں گے منظور ہے تو ٹھیک ورنہ میں اپنے بچوں کو فنکشن پہ نہیں بھیجوں گی۔ اب انکو میری ماننی پڑی کیونکہ میرے بچے اسکول کے ٹاپر ہیں۔ بے شک دونوں کی پرفارمنس نے محفل لوٹ لی تھی۔

پاکستانیوں کا بھی عجیب المیہ ہے ایک سے چودہ اگست تک پکے پاکستانی بن جاتے ہیں۔ حب الوطنی کا منہ بولتا ثبوت اور چودہ تاریخ کے ختم ہوتے ساتھ ہی وہ اپنی پرانی ڈگر پہ واپس آجاتے ہیں۔ پھر نہ انہیں اپنا ملک یاد رہتا ہے نہ تہذیب۔۔۔۔ معذرت کے ساتھ ہرا دوپٹہ سفید قمیض شلوار پہن لینا پاکستانی ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ اس ایک دن کو سیلبریٹ کر لینا ہی حب الوطنی نہیں ہے۔ آپ سوچیں

کہ باقی سارا سال آپ نے اپنے ملک کے لیے کیا کیا۔ سیاست دانوں کو برا بھلا کہہ لینے سے ملک نہیں ٹھیک ہو گا جب تک ہم خود اپنے حق کے لیے کھڑا ہونا نہیں سیکھیں گے۔ آج تئیس اگست ہے میں پوچھتی ہوں کہاں گئے وہ فیس بک پہ بڑی بڑی باتیں کرنے والے ہری ڈی پیاں لگانے والے اس سال بڑے بڑے عہد لینے والے ہم اپنے ملک کے لیے دیئے جانے والی ساری قربانیاں بھول گئے ہیں ہاں یہ سچ ہے۔ اصل انسان وہ ہوتا ہے جو اپنی خوشی میں بھی کسی کا دکھ یاد رکھے ہم اپنی آزادی کی خوشی مناتے ہیں مگر ہم کشمیر کی غلامی کا دکھ کیوں نہیں مناتے۔ ہم ایک بم دھماکے کا سوگ مناتے ہیں۔ ہم کشمیر میں روز روز ہونے والی تباہی کا سوگ کیوں نہیں مناتے۔ کبھی سوچا ہے؟ کوئی ایک شخص اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا ہم سب کو اٹھنا پڑے گا۔ خدا کے لیے اپنے بے حس دل کو جھنجھوڑئے۔ سوال یہ ہے کہ ہم ملک کو کیسے بدلیں۔ جواب یہ ہے کہ شروعات اپنے گھر سے کرو گلی محلے سے کرو ہمارا مذہب راستے سے کانٹا ہٹا دینے کا ثواب لکھتا ہے تو کیا کسی غریب کی مدد کا اجر نہیں ملے گا ہمیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے کوئی تیسرا نہیں آئے گا یہ ہمارا ملک ہے اسے ہم نے سنوارنا ہے۔ اب کوئی اقبال ہمیں خواب سے بیدار کرنے نہیں آئے گا۔ اب کوئی قائد ہماری آزادی کے لیے آواز نہیں اٹھائے گا اپنے ملک کو ہمیں خود بدلنا ہے۔ کشمیر کے لیے ہمیں ہی آواز اٹھانی ہے۔ چودہ اگست گزر گیا۔ کیا آج بھی تم سب یہ نہیں کہو گے۔

"پراوڈ ٹو بی پاکستانی؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شُد

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔